مقبول ترین ایوارڈ یافتہ میگزین
ماہنامہ
آبِ حیات
لاہور
اپریل 2006ء
سیرۃ النبی ﷺ
آیاتِ قرآنی کی روشنی میں
toobaa-elibrary.blogspot.com
اشاعتِ خاص

نمائندگان ماہنامہ آبِ حیات

پنجاب

شہر	نام	شہر	نام
راولپنڈی	سید عبدالرشید	بہاولنگر	رشید الرحمٰن قاسمی
سیالکوٹ	خلیل الرحمٰن راشدی	چشتیاں	مولانا حسین احمد حارق
راولپنڈی	مفتی محمد آفاق عباسی	راولپنڈی	قاری عبدالحمید عباسی
اسلام آباد	محمد ہارون عباسی	خان گڑھ	خالد محمود ضیاء
اسلام آباد	قاری محمد نوید عباسی	سبز بنگلہ	محمد آفتاب عباسی
گجرات	حافظ حبیب اللہ	راجن پور	صابر حسین
ہوگڑہ	فہیم زبیر عباسی	روات	قاری عبدالعلیم عباسی
اسلام آباد	ابرار احمد عباسی	راولپنڈی	محمد عمر جوزی
فیصل آباد	عبدالرحیم چاریاری	قصور	اللہ دتہ مجاہد
جھنگ	ثقلین شاہ	لاہور	محمد اطہر جہلمی
جمن شاہ	مولانا خلیل الرحمٰن	بھکر	محمد قمر اقبال سیفی
سرائے عالمگیر	عبدالغفار	وہاڑی	حافظ محمد عدل
ملتان	مولانا قاری عبدالرؤف	سبز بنگلہ	ہارون الرشید صدوقی
سبز بنگلہ	وسیم احمد عباسی	سرگودھا	محمد الیاس فاروقی
شیخوپورہ	امیر محمد معاویہ	گوجرانوالہ	حافظ محمد فاروق جالندھری
[illegible]	حافظ خلیل احمد عثمانی	[illegible]	محمد آصف

سرحد — آزاد کشمیر — کراچی

لورہ: حافظ غلام جیلانی، قاری محمد الطاف

پشاور — بلوچستان

قلعہ عبداللہ: بہادر خان بہادر — تربت: حافظ عبدالباقی — کراچی

محمود الرشید عباسی نے حنیف پرنٹنگ پریس وحدت روڈ سے چھپوا کر جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

ہمارے پڑھنے والے، ہمارے کرم فرما، ہمارے مخلصین سب ہی کے علم میں ہے کہ ''آب حیات'' ہر سال ربیع الاول میں ایک ''اشاعت خاص'' پیش کرتا ہے، جسے ''سیرت النبی ﷺ نمبر'' کہا جاتا ہے، یہ نبی اکرم ﷺ کے نام پاک کی برکت اور اللہ کریم کی کرم نوازی ہے۔ ''آب حیات'' جہاں عامۃ الناس اور خواص کے حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا اور پڑھا جا رہا ہے وہاں ''آب حیات'' کو قومی سیرت کانفرنس اسلام آباد میں ''قومی سیرت ایوارڈ'' بھی حاصل ہو چکا ہے، دینی رسائل، جرائد، اخبارات اور قومی سطح کے میگزینوں میں ''آب حیات'' کے لیے نہ صرف اچھے بلکہ بہت ہی اچھے تاثرات موجود ہیں، صرف عوام ہی نہیں بلکہ علماء کرام کے ہاں بھی ''آب حیات'' کے لیے مخلصانہ جذبات موجود ہیں۔

ہمارا ماضی ہمارے کرم فرماؤں کے سامنے ہے، ہم نے شروع سے لے کر آج تک کبھی بھی حق کو چھپانے اور باطل کا پرچار کرنے کی کوشش نہیں کی، ہمارے نزدیک حق کا بول بالا کرنا، حق کو عام کرنا کار ثواب ہے، قرب خداوندی کا ذریعہ ہے، ہم اسی قرب کی تلاش میں حق بولتے، حق لکھتے اور حق بتاتے ہیں، اس حق گوئی، بے باکی اور جرأت اظہار کی پاداش میں ہی ہمیں اپنوں کے گلوں اور دوسروں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہی کچھ متاع فقیر ہے، آئندہ بھی ہم کم از کم ایسا مواد ضرور شائع کرتے رہیں گے، جس سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا ہوتا رہے، اس میں ہم کسی مداہنت، کسی بزدلی کا اظہار نہیں کر سکتے۔

ہم ربیع الاول کو مبارک مہینہ سمجھتے ہیں، اس ماہ میں ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے آ کر انسانیت کو ضلالت سے بچا کر جادۂ حق پہ گامزن کیا، آپ نے تہی دست انسانیت کو رشد و ہدایت کی لازوال اور بے پایاں دولت سے مالا مال کیا، جنگ و عار میں ڈوبی انسانیت کا سر بلند کیا، ظلم و ستم کی آندھیوں کو روکا، کفر و شرک کے اندھیروں میں حق کے چراغ روشن کئے، انسانوں کو وہ درس دیا جس سے انسان رب کے قریب اور شیطان سے دور ہو، اسی ماہ مبارک کی نسبت سے ہم نے اسلامی صحافت کے سفر کا آج سے چند سال پہلے آغاز کیا تھا، نبی کریم ﷺ کی برکت اور طفیل ہمارا ہر آنے والا دن پہلے دن سے بہتر، ہر آنے والا لمحہ پہلے سے زیادہ حسین، ہمارا آنے والا سانس پہلے سانس سے زیادہ راحت بخش، ہمارا آنے والا سال پہلے سال سے زیادہ منفعت بخش، غرض یہ کہ آپ ﷺ کے طفیل ہمارا ماضی کھلی کتاب اور مستقبل تابناک ہے (ان شاء اللہ) ہمارے پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اس دور میں حق بات کہنا اور لکھنا کتنا مشکل کام ہے؟

حق و صداقت کا پرچم بلند کرنے والوں کی کلائیاں مروڑ دی جاتی ہیں، پھریرے چھین لئے جاتے ہیں، حق بولنے والوں کی زبان پہ ایسی شیرینی مل دی جاتی ہے جس سے زبان کا ذائقہ ہی بدل جاتا ہے، لکھنے والے قلم خرید لئے جاتے ہیں، ضمیر خرید لئے جاتے ہیں، حق سوچنے والوں کے گرد پہرے بٹھا دیئے جاتے ہیں، قصہ مختصر حق و صداقت کا پرچار کرنے والوں کو ہر اعتبار سے امتحانات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لحاظ سے ''آب حیات'' کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ بھی ان خوش قسمت میگزینوں میں سے ایک ہے جسے سخت ترین مشکلات کا ہمہ وقت سامنا رہتا ہے، مگر ہم آپ سے ایک مرتبہ پھر عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ حالات جیسے کیسے بھی ہوں، ہم اپنے اکابر کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے حق کی آواز بلند کرتے رہیں گے۔

(اشاعت خاص)

ربیع الاول ۱۴۲۷ھ میں اشاعت خاص کے طور پر حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کا ایک تحقیقی اور فکر انگیز مضمون پیش کیا جا رہا ہے، جس کی انفرادیت اور اہمیت اس بات سے واضح ہے کہ اس میں سیرت النبی ﷺ کو قرآنی آیات کے حوالے سے واضح کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(مجلس تحفظ اسلام پاکستان کی سعادت)

مجلس تحفظ اسلام پاکستان کے کارکنان اور رفقاء داران کے لیے یہ خبر انتہائی خوشی کن ہوگی کہ مجلس تحفظ اسلام کی سرپرستی پیر طریقت، رہبر شریعت، محبوب العلماء والصلحاء **مولانا حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ** نے قبول فرمائی ہے، جامعہ مفتاح دارالسعادت کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت سے درخواست کی گئی تھی، جس پر حضرت نے بصد خوشی قبول کرلی، اور دعاؤں سے نوازا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات اور دین پر عمل کرنے کی توفیق دے، اور بزرگوں کی ہدایت کے مطابق کام کرنے کی سعادت عطا فرماتے رہے۔

خادم اسلام
محمود الرشید حدوٹی
(استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور)
۲۳ مارچ ۲۰۰۶ء جمعرات

......☆☆☆......

ظہور مبارک وہ واقعہ دنیا کے لیے بالکل پیچیدہ اور غیر متوقع نہ تھا، پیش آیا، اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں ایک "موعود" کے انتظار میں صدیوں سے چلے آرہے تھے اور قرآن مجید نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے تو اس ظہور مبارک کے لیے بہ صراحت سے نقل کی ہے یہ دعا حضرت ابراہیمؑ کی تھی ایک مبارک وقت جگہ، دو مقدس بندوں کی زبان سے نکلی تھی اور اس میں حضرت ابراہیمؑ کے شریک ان کے فرزند حضرت اسمٰعیل بھی تھے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ.(البقرة ع۱۵)

اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم ابھار رہے تھے دیواریں خانہ کعبہ کی اور (ان کے ساتھ) اسمٰعیل بھی۔

مقام انتہا مقدس کہ خانہ کعبہ کا فرش، وقت انتہا مبارک، کہ عین تعمیر خانہ کعبہ کا زمانہ اور دعا کرنے والے، اللہ کے دو مقبول ترین اور انتہائی برگزیدہ بندے، دعا سب سے پہلے اس کی کہ ہماری یہ خدمت قبول ہو۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.(البقرة، ع۱۵)

اے ہمارے پروردگار! ہم سے ہماری یہ خدمت قبول فرما بے شک تو تو خوب سننے والا تو سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض حال میں پہلی گذارش تو یہ تھی کہ ہمیں اور زیادہ توفیق طاعت و اطاعت ملے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ.(البقرة، ع۱۵)

اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے۔

اور پھر معاً بعد یہ آرزو کہ ہماری نسل سے ایک امت مسلمہ ایک فرمانبردار قوم

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ. (البقرة، ع ۱۵)

اور ہماری نسل سے ایک امت بھی پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو۔

خیال کر کے سنیے کہ قید "ہماری نسل" کی لگائی جا رہی ہے یعنی وہ نسل ابراہیمی جو حضرت اسمٰعیل کے واسطہ سے ہو، قید لگ جانے سے بنی اسحق سب نکل گئے اور امت مسلمہ بنی اسمٰعیل میں محدود ہوگئی یہ تو ہوئی امت اور اس کا رسول کون اور کیسا ہو؟ سماعت فرمائیے:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (البقرة، ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار، انہیں لوگوں یعنی بنی اسمٰعیل کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب (الہی) اور حکمت والا تو تو ہی ہے۔

اور پھر اپنے وقت پر جب یہ رسول ظاہر ہو چکا تو اس کا وصف اس کے دوسرے اوصاف کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیا کہ اس کا ظہور امیوں کے درمیان ہوا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (الجمعة، ع ۱)

اور ان کی اصلاح نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب (الہی) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ابراہیم و اسمٰعیل کی دعاؤں کا ذکر ہو چکا قرآن مجید سے یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ اس ظہور اقدس و اطہر کی پیش خبریاں اگلے آسمانی صحیفوں میں آ چکی ہیں یہ ذکر قرآن نے کہیں تو ضمناً اور بالواسطہ کیا ہے، یعنی صرف کتاب کا ذکر کر کے اشارہ کتاب لانے والے کی طرف بھی کر دیا مثلاً۔

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ. (الشعراء، ع ۱۱)

اس کا ذکر یا اس کی خبر اگلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔

اور کہیں یہ ذکر براہ راست اور مستقلاً کیا ہے اور ایسے موقع پر رسول کے اوصاف امتیازی خصوصی کو بھی گنا دیا ہے، مثلاً

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ. (الاعراف ع ۲)

جو لوگ پیروی کرتے ہیں، اس امی رسول ﷺ و نبی کی جس کو (یعنی جس کے وصف کو) وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں توریت اور انجیل میں وہ حکم دیتا ہے انہیں نیک کرداری کا اور روکتا ہے انہیں بدکرداری سے اور پاکیزہ چیزیں ان کے لیے جائز بتاتا ہے اور گندی چیزیں ان پر حرام رکھتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور قیدیں جواب تک تھیں اتارتا ہے۔

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ

یعنی ان رسول کے اوصاف و علامات یہ اہل کتاب اپنے ہاں توریت و انجیل میں درج پاتے ہیں۔

قرآن مجید نے یہ دعویٰ علانیہ کر دیا اور معاصر اہل کتاب میں سے کسی کو اس سے انکار کی جرأت نہ ہوئی ورنہ جہاں اور اتہامات سرور کائنات اور آپ ﷺ کی وحی پر رکھ رہے تھے وہاں ایک اس الزام کا بھی اضافہ کر دیتے کہ توریت و انجیل میں کہاں ایسے رسول کے ظہور کا پتہ نشان ملتا ہے؟

توریت میں جتنے تصرفات و تحریفات اب تک ہو چکے ہیں ان کے بعد یہ دعویٰ خود اہل

توریت کا بھی وہ حق نہیں رہا ہے کہ یہ کتاب وحی لفظی کا نمونہ ہے لیکن اتنی تصحیف و تحریف کے بعد بھی کچھ تو حوالے اس میں اب بھی باقی رہ رہے ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ کی زبان سے اسرائیلیوں کو مخاطب کر کے:

''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو'' (استثنا ۱۸-۱۵)

''تیرے ہی بھائی'' یعنی اسرائیل کے بھائی سوا نبی اسمٰعیل کے اور کون ہو سکتے ہیں! پھر ان اسمٰعیلیوں میں ایسا نبی جو ''میرے ہی مانند'' یعنی مشابہت حضرت موسیٰ سے رکھنے والا ہو، بجز ہمارے نبی کریم کے اور کون ہوا ہے؟

اور پھر توریت کے اس صحیفہ استثنا کی اسی فصل میں دو ہی تین آیتوں کے بعد ہے، ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا'' (ایضاً ۱۸)

اسرائیل کے بھائیوں یعنی اسمٰعیلیوں کا ذکر اس آیت میں بھی اور ''تجھ سا'' یعنی موسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھنے والے کی تعیین یہاں بھی اور پھر آخری فقرہ کی تصریح کہ ''اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالوں گا'' صاف اس کا مرادف کہ اس کا پیام وحی لفظی کا مجموعہ ہوگا اور یہ وحی لفظی کا دعویٰ بجز قرآن مجید کے روئے زمین پر آج کس کتاب اور کس پیام کے لیے ہے؟

توریت کے بعد اب انجیل پر آیئے، اس میں ''ترجمہ در ترجمہ'' در ترجمہ کی بنا پر اصلاح ترمیم اور تبدیلی کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور وہ بھی چرا کر چھپا کر نہیں بلکہ علانیہ و فخریہ لیکن اس سارے کاروبار کے باوجود اس میں بھی یہ لفظ آج تک لکھے چلے آ رہے ہیں یہ حضرت مسیح اسرائیلیوں سے فرما رہے ہیں:۔

''یسوع نے ان سے کہا، کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس

قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا'' (متی ۲۱: ۴۲-۴۴)

''کتاب مقدس کا'' جو فقرہ یہاں نقل ہوا ہے اور انجیل مرقس ۱۲: ۱۰-۱۱ اور انجیل لوقا ۲۰: ۱۷ میں بھی وہ دراصل داؤد نبی کی کتاب زبور کا ۱۱۸: ۲۲ کا ہے۔ معماروں یعنی اسرائیلیوں نے جس پتھر کو ہمیشہ رد کیا تھا وہ اسمٰعیلی ہی تھے کونے کے سرے کا جو پتھر ہوا، یعنی نبوت جس کو سب سے آخر زمانہ میں ملی وہ بنی اسمٰعیل ہی کا ایک فرد تھا اور یہود و نصرانی جو بھی اس سے ٹکرائے وہ پاش پاش ہو کر رہ گئے۔ پس کر رہ گئے۔

توریت اور انجیل میں حوالے اور بھی ملتے ہیں ان سب کی یہاں اشاعت فرمانے کے بجائے انہیں تفسیر ماجدی میں ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائی جائے، قرآن مجید نے حضرت مسیح کی زبان سے ایک اور پیش خبری کا حوالہ صراحت کے ساتھ دیا ہے اس لیے سے قدرے حال میں سنیے۔

وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِي اِسْرَائِيلَ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّاْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (الصف، ع ۱)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اسرائیلیو! میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبر آیا ہوں، تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے، اور بشارت دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں، جن کا نام احمد ﷺ ہوگا۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے تو یہ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

قرآن مجید نے جس قول کی جانب اشارہ کیا ہے وہ موجودہ محرف انجیل سے بھی تمام تر

محفوظ ہو سکا بلکہ اس کے حوالے ایک نہیں تین تین جگہ آج تک موجود ہیں ملاحظہ ہوں۔

"میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے" (یوحنا ۱۴:۱۶)

"جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے" میں صاف اشارہ موجود ہے، اس کی شریعت دائمی ہوگی۔ دوسری جگہ ہے:

"جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا" (یوحنا ۱۵:۲۶)

اور تیسری مرتبہ:

"اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا"۔ (یوحنا ۱۶:۷-۸)

یہ عبارتیں جو پڑھ کر سنائی گئیں، اردو بائبل کی تھیں اور بائبل کے اردو مترجمین نے متن میں لفظ مددگار اور حاشیہ پر اس کے نسخے "وکیل" اور "شفیع" دیئے ہیں اور انگریزی بائبل میں جو پروٹسٹنٹ فرقہ کی ترجمان ہے اس کے لیے لفظ Comfaten آیا ہے یعنی تسلی دہندہ اور جو انگریزی بائبل عقیدہ کیتھولک سے مصدق ہے اس میں ان موقعوں پر لفظ Panaclele درج ہے ہمارے یہاں کے فاضلوں کا بیان ہے کہ جس یونانی لفظ کے لیے "مددگار" لاتے ہیں کبھی "وکیل" کبھی "شفیع" کبھی "تسلی دہندہ" اور کبھی PRACLETE وہ اصل میں PERICLYTS ہے جو صحیح ترجمہ لفظ احمد (بہ معنی محمود ستودہ) کا ہے۔

غرض یہ کہ جو توحیدی قومیں آغاز اسلام کے وقت دنیا میں موجود تھیں اور جو سلسلہ وحی ونبوت کی قائل تھیں ان کے مقدس نوشتوں میں پیش خبریاں شروع ہی سے ایک آخری نبی کی چلی آ رہی تھیں، جس کی شریعت دائمی ہوگی یعنی وہ سلسلۂ انبیاء کا خاتم بھی ہوگا۔

نام:

اسم مبارک محمد ﷺ تھا اور قرآن مجید میں اس کی صراحت چار جگہ آئی ہے ایک جگہ تو صرف نام اور منصب کا ذکر ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح، ع ۴)

محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

دوسری جگہ یہ ملتا ہے کہ قرآن جو سرتاسر برحق ہے نازل انہیں محمد پر ہوا ہے،

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَآمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ. (محمد، ع ۱)

تیسری جگہ اس حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے کہ محمد اللہ کے قاصد یا رسول ہی ہیں جیسا کہ آپ کے قبل اور بھی رسول آ چکے ہیں کوئی دیوتا یا اوتار یا فوق البشر ہستی نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران ع ۱۵)

اور محمد تو بس رسول ہیں، ان سے قبل اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔

اور اسی آیت میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں۔

اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ

تو اگر ان کی وفات ہو جائے یا انہیں ہلاک کر دیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے۔

اور یہیں سے ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ رسول ﷺ غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے، بلکہ ہر بشر کی طرح آپ ﷺ بھی فانی تھے اور آپ پر طبعی وفات کے طاری ہونے یا کسی کے ہاتھ سے ہلاک ہونے، دونوں کا احتمال تھا۔

چوتھی آیت نے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ اس کی بھی خبر دے دی، کہ آپ ﷺ کی اولاد ذکور میں سے کوئی زندہ نہ رہے گا صاحبزادیوں کی گنجائش البتہ ہے۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (الاحزاب ع ٤)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں۔

اسم محمد ﷺ کی اس چہارگانہ تصریح کے ساتھ قرآن مجید میں دوسرا نام احمد ملتا ہے یہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے پیش خبری کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اِذْقَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ. (الصف ع ١)

اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اولاد اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں تصدیق کرنے والا توریت کی جو مجھ سے پیشتر ہے اور بشارت سنانے والا اس رسول کی جو میرے بعد آنے والے ہیں، ان کا نام احمد ہوگا۔

حضرت مسیح کی جو انجیل حواری برنبایا کی جانب منسوب ہے اس میں تو یہ پیش خبری آج بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ باقی جو انجیلیں یوحنا میں عبارتیں اس قسم کی لکھی ہوئی چلی آتی ہیں۔

”میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے“ (یوحنا ۱۴:۱۶)

”جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا“ (یوحنا ۱۵:۲۶)

اتنا تو ان میں سے پہلے قول سے ظاہر ہی ہو گیا کہ جو آنے والا حضرت مسیح کے بعد آئے گا، وہ خاتم نبوت ہوگا اور اس کی شریعت قیامت تک قائم رہے گی اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ آنے والا کون ہوگا؟ حضرت مسیح کی زبان مبارک سے نکلا ہوا اصل سریانی لفظ تو اب کہیں دنیائے معلوم میں محفوظ نہیں۔ اب تو دارومدار آپ کے سریانی کلام کے صرف یونانی ترجمہ پر ہے تو اس یونانی ترجمہ کا ترجمہ دوسری زبانوں میں اہل انجیل کہیں تسلی دہندہ Comtovtev سے کرتے ہیں اور کہیں مددگار سے اور کہیں وکیل سے اور کہیں شفیع سے۔

اور اس اضطراب کے مقابلہ میں ہمارے ہاں کے فاضلوں کا بیان جزم کے ساتھ یہ ہے کہ وہ یونانی لفظ Pevielyte ہے اس کا صحیح مفہوم احمد ہی سے ادا ہوتا ہے اور اس لیے قرآن مجید نے یہ نام حضرت مسیح کی زبان سے ادا کر دیا ہے۔

اسم ذاتی بعد محمد ﷺ کے یہی احمد آیا ہے ان دو کے علاوہ اسماء صفاتی قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً

نذیر، بشیر، منذر، مبشر، شاهد، داعي إلى الله، سراج منير، مزمل، مدثر، النبي الامي مذكر، رحمة للعالمين، خاتم النبيين.

اب چند در چند آیات قرآنی بلالحاظ ترتیب سن لیجیے، جن میں یہ اسماء توصیفی، وارد ہوئے ہیں۔

انا ارسلنا اليكم رسولاً شاهدا عليكم (المزمل ع ١)

بے شک ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول تم پر شاہد (بنا کر)

اسم شاہد کی شہادت اس آیت نے پیش کر دی اور شاہد تم بھی ابھی سماعت فرمایئے کہ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

کہیں کہیں اس سے بھی زیادہ اسماء صفاتی اکٹھے بیان ہوئے ہیں مثلاً

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (الحزاب ٦)

اے نبی بیشک ہم نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے شاہد مبشر اور نذیر بنا کر اور اللہ کی طرف داعی اس کے اذن سے اور ایک روشن چراغ۔

اور منذر اور نذیر کی تکرار تو کثرت سے آئی ہے، کبھی الگ الگ اور کبھی دوسرے اسماء صفات کے ساتھ مل جل کر اسم منذر کو لیجیے۔

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ (هود، ع ١)

آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک رہبر (رکھا گیا) ہے۔

بل عجبوا ان جآءهم منذر منهم۔ (ق۔ع ١)

ان لوگوں کو اس پر اچنبھا ہے کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا انہیں میں سے آ گیا۔

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا (النازعات، ع ٢)

آپ تو بس ڈرانے والے ہیں اسے جو دوزخ سے خوف رکھتا ہے۔

اب نذیر والی آیتیں سنئے علاوہ ان دو آیتوں کے جو ابھی آپ سن چکے ہیں۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (البقره ع ١٤)

بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

اور اس کے علاوہ سورۃ الفاطر ع ۳ کی ایک آیت میں بھی یہ آیا ہے کہیں کہیں یہی مضمون صیغہ حاضر کے ساتھ وارد ہوا۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ (بنی اسرائیل، ع ١٢)

اور ہم نے آپ کو تمام تر ایک خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور یہی الفاظ سورۃ الفرقان ع ۲ کی ایک آیت میں وارد ہوئے ہیں۔

اسی طرح ایک جگہ اور ہے:

اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ (هود، ع ٢)

آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں۔

پھر ایک جگہ اور صیغہ غائب میں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (الاعراف۔ ع ١٣)

یہ تو تمام تر ایک کھلے ہوئے ڈرانے والے ہیں۔

ایک جگہ اہل کتاب سے خطاب خصوصی میں ارشاد ہوا ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ۔ (المائده، ع ٣)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول ﷺ آ پہنچے ہیں جو تم سے کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے وقت میں جب رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آئے سو تمہارے پاس تو بشیر و نذیر آ گیا۔

کہیں کہیں یہ لفظ صیغہ متکلم میں خود رسول ﷺ کی زبان سے ادا کر دیے گئے ہیں۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (العراف، ع ٢٣)

میں تو محض ایک بشیر و نذیر ہوں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔

قُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ (الحجر ع ٦)

آپ کہہ دیجیے: کہ میں تو ایک کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ۔ (هود، ع ١)

بے شک میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے نذیر و بشیر ہوں۔

اور سورہ والذاریات ع ۳ میں پاس ہی پاس دو جگہ ان الفاظ کو رسول کریم کی زبان سے دہرایا گیا ہے۔ اور کہیں ان صفات کے ساتھ مخاطبین کے دائرہ میں ساری دنیا کو لے آیا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ (سبا، ع ۳)

اور ہم نے تو بس آپ ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر سارے ہی انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔

نذیر کا لفظ اتنے موقعوں کے علاوہ بھی دو ایک جگہ آنحضور ﷺ کے لیے آیا ہے لیکن وہاں دلالت اتنی صریح و واضح نہیں۔

ابھی ابھی آپ نے سنا کہ حضور ﷺ کی بعثت کافۃ للناس تھی یعنی نسل انسانی کے لیے اور ملک عرب کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں اس عموم بعثت کی تائید تقویت سورۃ الفرقان کی بھی ایک آیت سے ہوتی ہے جہاں فرمایا گیا ہے کہ فرقان اس بندہ خاص پر اس لیے نازل کیا گیا کہ

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (الفرقان، ع ۱)

تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے سارے عالم کا ڈرانے والا ہو۔

اسم شاھد کے کئی اطلاق ذات نبوی کے لیے چند منٹ قبل آپ کی سماعت میں آچکے ہیں اور شاھد کے معنی عام طور پر گواہ سمجھے گئے ہیں لیکن اس لفظ کا استعمال ہوگا اگر، شاہد، کو حاضر کے مرادف سمجھا جائے اور کم سے کم دو آیتیں قرآن مجید میں اور ایسی ہیں، جہاں شاہد سے اشارہ رسول اللہ ﷺ ہی کی طرف ہے بعض اکابر تفسیر نے خیال کیا ہے ان میں سے ایک آیت سورۂ ہود کے رکوع ۲ میں ہے۔

وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ

اور قرآن کے ساتھ اس میں ایک گواہ بھی ہے۔

اور دوسری سورہ البروج کے شروع میں ہے۔

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ

اور شاہد اور مشہود

اس دوسری آیت میں اشارہ ذات نبوی کی طرف ایک قول کے مطابق ہے، اور دوسرے قول کے مطابق مشہود ہے۔

یہ سارے نام ایسے ہوئے، جو صراحۃً یا دلالۃً رسول کی مستقل صفات سے متعلق وارد ہوئے ہیں ان کے علاوہ دو جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ رسول ﷺ پر کوئی وقتی کیفیت طاری ہوئی اور قرآن نے بس اسی وقت صفت سے آپ کو مخاطب کر دیا، چنانچہ نزول وحی کے ابتدائی زمانے میں جب برادری والوں نے شرارت سے انکار و استہزاء آپ کے دعویٰ نبوت پر شروع کیا، تو ایک روز آپ ﷺ ان حالات سے متاثر و ملول خاطر، چادر میں لپٹے ہوئے لیٹے تھے تو قرآن نے ٹھیک اسی ہیئت کے ساتھ آپ ﷺ کو مخاطب کیا اور کہا۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ (المزمل، ع ۱)

اے چادر میں لپٹنے والے

اور پھر اسی طرح جب کچھ روز بعد وحی کے تسلسل میں وقفہ پڑ گیا اور آپ فکر مند اوڑھے لپیٹے ہوئے لیٹے تھے تو قرآن مجید نے آپ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ (المدثر، ع ۱)

اے چادر میں لپٹنے والے

یہ سارے اسماء صفاتی تو وہ ہوئے جن میں سے ہر ایک بجنسہٖ قرآن مجید میں آچکا ہے باقی کچھ اور نام بھی ہیں جو براہ راست تو وارد نہیں ہوئے ہیں لیکن قرآن مجید کی عبارتوں سے ماخوذ و مستنبط کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

مصطفیٰ، مجتبیٰ، مطاع، صادق، امین، مبلغ، معلم، مزکی، مرسل وغیرہ

اور ان سب کے علاوہ دو اسماء ایک النبی اور ایک الرسول کا اطلاق تو اس کثرت سے حضرت کی ذات پر ہوا ہے کہ اس کا احاطہ کرنا بھی آسان نہیں۔

اسی سلسلے میں ایک اور لفظ کا ذکر ضروری ہے جو اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے تو عام ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی تکریم و تشریف خصوصی کے موقع پر اس تکرار سے آیا ہے کہ اگر اسے آپ ﷺ کا لقب خصوصی قرار دیا جائے تو کچھ بیجا نہیں وہ لفظ ہے عبد، خصوصیت و یگانگت کے موقع پر آپ کی جانب اشارہ اسی کلمہ سے کیا گیا اور نمایاں آپ ﷺ کے وصف عبدیت کو کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید کے شروع ہی میں، جہاں منکروں اور معاندوں سے تحدی کے ساتھ کہا ہے کہ اگر سارا قرآن نہیں بنا سکتے ہو تو یک سورت ہی اس کی سی پیش کردکھاؤ وہاں بجائے رسول یا نبی کے کام اسی لفظ ''عبد'' سے لیا گیا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (البقرة، ع ۳)

اور اگر تمہیں اس کلام کے باب میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو اس کی سی ایک سورۃ تم خود بنا لاؤ۔

اسی طرح جہاں مسجد اقصیٰ کے سفر معراج کا ذکر ہے وہاں بھی یہی لفظ آیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ (بنی اسرائیل، ع ۱)

پاک ہے وہ ذات جو راتی رات لے گئی اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

اسی طرح جہاں سیر آسمانی سے سرفرازی و تقرب خصوصی کا ذکر ہے وہاں بھی تصرف اسی لفظ کا ہوا ہے۔

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔ (النجم ع ۱)

پھر اللہ نے وحی کی اپنے بندہ پر جو کچھ کہ وحی کی۔

ایک جگہ یہ مذکور ہے، کہ کافر معاند عبد کامل کی نماز و عبادت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں، وہاں ارشاد ہوا ہے۔

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى (علق)

تو نے اس شخص کے حال پر نظر کی جو روکتا ہے جب بندہ نماز پڑھتا ہے۔

اور ایک جگہ ایسے ہی موقع پر بجائے محض عبد کے لفظ عبد اللہ آیا ہے سیاق یہ ہے کہ رسول ﷺ جب عبادت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، تو مشرکین معاندین آپ ﷺ پر ہجوم کرکے چڑھ آتے ہیں، تو وہاں کام اسی اسم توصیلی عبد اللہ سے لیا گیا ہے۔

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا (الجن ع ۱)

اور جب اللہ کا بندہ (خاص) کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی عبادت کرے تو یہ لوگ اس پر ہجوم کر آنے کو ہوتے ہیں۔

نزول قرآن کی عظیم ترین نعمت کے سیاق میں ذکر بار بار ہے یعنی اسی عبد کامل کا آتا ہے تحدی والی آیت ابھی آپ سن چکے، اب تین آیتیں اور اس سلسلہ کی سماعت میں لائی جائیں، پہلی آیت۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ۔ (الکهف ع ۱)

ساری تعریف ہے اس اللہ کے لیے جس نے کتاب اپنے بندہ پر اتاری۔

دوسری آیت۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ (الکهف ع ۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے فرقان اپنے بندہ پر نازل فرمایا۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (الحدید، ع ۱)

وہ ذات وہی ہے جو صاف صاف آیتیں اتارتا ہے اپنے بندہ پر تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

نہیں کہ "نزول" کا اطلاق بجائے کلام کے فتح غیبی ونصرت خصوصی پر ہوا ہے اور وہاں بھی مذکور "عبد" ہی کا ہے۔ مثلاً

وَإِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ (الانفال، ع ٥)

اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے فیصلہ کے دن اپنے بندہ پر اتاری۔

اور کہیں یہ اطمینان دلایا ہے کہ یہ عبد براہ راست اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (زمر، ع ٤)

کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندہ کی حفاظت کے لیے؟

اسماء صفاتی میں سے دو ایسے بھی ہیں، جو ایک طرف تو کھلے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے لیے استعمال ہوئے اور دوسری طرف وہ اسماء حسنیٰ باری تعالیٰ میں بھی داخل ہیں وہ لفظ ہیں رؤف اور رحیم، صیغہ معرفہ میں "ال" کے اضافہ کے ساتھ تو یہ الرؤف والرحیم اسماء الٰہی میں ہیں لیکن نکرہ میں بغیر ال کے رسول ﷺ کے اسماء صفاتی میں لائے گئے ہیں، سورۃ البراۃ کے ختم پر رسول ﷺ کے ذکر صریح کے بعد آتا ہے۔

حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبة، ع)

تمہارے لئے حریص ہیں، مومنوں کے حق میں بڑے شفقت اور رحم والے ہیں۔

ایک اور اسم وصفی مذکر ہے ارشاد ہوا ہے۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ (الاعلیٰ)

آپ انہیں یاد دلاتے رہیے، اور آپ تو بس ہیں ہی یاد دلانے والے۔

یہ اسم مصیطر کے مقابلہ میں آیا ہے اور مصیطر کے معنی ہیں مسلط یا ہماری زبان میں داروغہ کے۔

دو وصف قرآن مجید نے اور آپ کے ایسے بیان کئے ہیں۔ جن سے دو اسماء توصیفی پیدا ہوگئے ایک کا تعلق وصف رحمت عام سے ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء، ع ٧)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر جہانوں کے حق میں۔

اور دوسرا وصف ختم نبوت کا ہے۔

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب ع ٥)

دو لفظ قرآن مجید میں اور بھی آئے ہیں ایک نور دوسرے برہان، جمہور مفسرین کے نزدیک ان کا تعلق اوصاف قرآنی ہی سے ہے چنانچہ ایک یہ ہے۔

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (المائدہ، ع ٢)

بے شک اللہ کے ہاں سے تمہارے پاس آ چکا ہے نور اور کتاب واضح۔

اور دوسری آیت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ (النساء، ع ٢٤)

اے لوگو! تمہارے پاس برہان پہنچ چکی ہے تمہارے پروردگار کے پاس سے۔

لیکن مفسرین کا ایک گروہ ادھر بھی گیا ہے کہ دونوں لفظوں سے مراد ذات نبوی ہے گویا دلالت ہے تو سہی مگر بہت خفی قسم کی۔

اور اس لفظ برہان، سے ملتا ہوا ایک اور لفظ بینہ بھی، آپ کی شان میں سمجھا گیا ہے، مثلاً اس آیت میں۔

حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (بینة)

جب تک کہ ایک واضح دلیل ان کے پاس نہ آ گئی۔

نسب:

نام نامی اور اسماء توصیفی پر گفتگو ہو چکی ہر سیرت میں نام کے بعد ہی نسب کا

عنوان جلی ہوتا ہے۔

پہلی روشنی نسب مبارک کے سلسلہ میں قرآن مجید سے یہ پڑتی ہے کہ آپ ﷺ یتیم تھے۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى. (الضحیٰ)

کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اس نے (آپ کو) ٹھکانا دیا۔

یتیم اس کو کہتے ہیں جس کے باپ کا انتقال اس کے بلوغ سے قبل ہی ہو جائے اور قبل بلوغ شامل ہے قبل ولادت کو اور تاریخ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے والد ماجد کی وفات آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل ہو گئی تھی۔

پھر قرآن ہی کے لفظ فآوی سے یہ بھی نکلتا ہے کہ یتیمی کے باعث آپ بے گھر ہو گئے تھے (اور عرب جاہلیت میں یوں بھی یتیم کی زندگی ہمہ وقتی کوفت ہی کی زندگی ہوتی تھی) لیکن حکمت الٰہی نے دوسرے انتظامات آپ ﷺ کی رعایت و ربوبیت کے کر دیے تھے، جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے پہلے دادا عبدالمطلب اور پھر چچا ابو طالب کے ذریعہ سے۔

آپ کا نسل ابراہیمی سے ہونا قرآن مجید سے ظاہر ہے بلکہ آپ تو ثمرہ ہی تھے عین دعائے ابراہیمی کا۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرہ ع ۱۵)

اے ہمارے پروردگار ہماری اولاد میں سے ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیری فرمانبردار ہو، اور اے ہمارے پروردگار ہماری امت کے اندر انہیں میں سے ایک پیغمبر بھی پیدا کر دے جو ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو پاک کر دے۔

اور جس موقع کی یہ دعا ہے وہاں قرآن ہی کے حسب صراحت حضرت اسمٰعیل

بھی حضرت ابراہیمؑ کے شریک تھے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ نسل ابراہیمی کی شاخ اسمٰعیلی سے تھے کسی اور شاخ سے نہیں۔

یہ آیتیں تو نسب کے باب میں صریح ہیں اور ان سے جو مستنبط ہو سکتا ہے وہ بھی لازمی طور پر صحیح ہی ہے۔ یوں قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے اپنی معروف کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ میں دو اور آیتوں اور ان سے اس سلسلہ میں استدلال کا بھی ذکر کیا ہے ان میں سے ایک سورۃ التوبہ کے ختم کی آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم ہے اس کی ایک قرأت بجائے انفُسکم (ضمہ فاء کے) انفَسکم (فتح الفاء) سے ہے تو اس سے استدلال یہ ہوا کہ آپ کا ظہور نفیس ترین و شریف ترین نسل میں ہوا ہے، دوسری آیت سورۃ الشعراء کے آخری رکوع کی ہے

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ.

اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ اللہ نے آپ کو عبادت گزاروں یا پارساؤں ہی کے صلبوں پشتوں سے نکالا ہے اور اسی طرح یہ دو آیتیں بھی تھوڑے سے تکلف کے بعد بعض اہل علم کے مذاق کے مطابق آپ ﷺ کی شرافت نسب پر گواہ بنائی جا سکتی ہیں۔

وطن:

جس سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسمٰعیل کو لا بسایا تھا۔ وہ اس وقت تک خشک و بے آب و گیاہ تھی بیت اللہ کے پڑوس میں اور حضرت کی دعا یہ تھی کہ دینداری اور خدا پرستی کے چرچے کے علاوہ اس بستی والوں کو میوے یا پھل بھی بہم پہنچتے رہیں۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ

الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (ابراهيم ع ۱)

اے ہمارے پروردگار میں نے بسا دیا ہے اپنی بعض اولاد کو ایک بے کھیتی والے دامن کوہ میں تیرے محترم گھر کے قریب ہی اے ہمارے پروردگار تا کہ وہ قائم کریں نماز کو پس تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف لگا دے اور ان کو پھلوں کا رزق دے تا کہ وہ لوگ شکرگزار ہوں۔

اسی شہر سے متعلق حضرت ابراہیمؑ کی دعا ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ (البقرة، ع ۱۵)

اے میرے پروردگار اس کو بنا دے ایک شہر امن والا اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں میں سے بھی عنایت کر۔

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اسی بستی میں ہوئی جو خشک و بے گیاہ حضرت ابراہیمؑ ہی کے زمانے میں نہیں، صدیوں بعد تک رہی۔ لیکن اس کے باوجود یقیناً اسی دعائے ابراہیمی کی برکت سے میووں اور پھلوں سے محروم پہلے بھی نہ رہی، اور اب تو ایک حد تک خود ہی شاداب و گلزار بن گئی ہے۔ رہی اس شہر کی مامونیت یا اس کا پرامن ہونا تو اس کی حرمت تو اس جاہلیت کو بھی ملحوظ رہی ہے اور شریعت اسلامی نے اس شہر کو حرم قرار دے کر اس کے اندر جانوروں کا شکار تک ممنوع کر دیا ہے قرآن مجید نے اس کے اس پہلو کو نمایاں کر کے اسے البلد الامین اور مسجد الحرام جیسے القاب سے بار بار یاد کیا ہے۔

شہر کا قدیم نام بکہ ہے اور خدائے پاک کی پہلی عبادت گاہ ہونے کا شرف و امتیاز اسی کو حاصل ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

(آل عمران ۱۰)

بے شک جو سب سے پہلا گھر لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ وہ ہے جو بکہ میں ہے بابرکت اور سارے عالم کے لیے ہدایت۔

اس شہر کا نام بعد کو مکہ پڑا اور اب مزید تعارف سے بے نیاز اس کا شمار دنیا کے معروف ترین شہروں میں ہے، ام القریٰ، بلد الامین اور البلد الحرام اس کے قرآنی مترادف ہیں۔

حجاز کے ایک دوسرے شہر کا بھی ذکر قرآن مجید میں یثرب اور مدینہ دو ناموں سے آیا ہے یہاں رسول اللہ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور ہجرت کا ذکر اور اس کے احکام قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں، معاندین سے غزوات و کاربات یہاں کے زمانہ قیام میں برابر جاری رہے اور ان کا تذکرہ قرآن مجید میں بسط و تفصیل سے موجود ہے یہ تذکرے تو کبھی حسب موقع آگے ملتے رہیں گے یہاں شہر کے سلسلہ میں صرف اتنی بات سن لینے کی ہے کہ یہاں کی آبادی کا ایک خاصہ بڑا حصہ غیر مخلص رعایا پر شامل تھا جو بظاہر اسلامی اسٹیٹ کے ہوا خواہ و فرمانبردار رہتے تھے لیکن درحقیقت غیر وفادار بلکہ باغی تھے اور دشمنان حکومت اسلامی سے میل رکھے ہوئے تھے یہ لوگ مخلص و وفادار رعایائے اسلام کے خلاف طرح طرح کی افواہوں سے ایک سرد جنگ رکھے ہوئے تھے ان پر قرآن مجید نے صاف صاف کہہ دیا۔

لئن لم ينته المنافقون والذين في قلوبهم مرض والمرجفون في المدينة لنغرينك بهم ثم لا يجاورونك فيها الا قليلا۔ (الاحزاب ع ۸)

اگر منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں بری خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم تم کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ نہ رہ سکیں گے مدینہ میں آپ کے پڑوس میں مگر بہت تھوڑے سے دن۔

یہ گویا صاف اعلان خداوندی تھا کہ کچھ ہی روز بعد رسول ﷺ کو ان پر پوری طرح

دسترس حاصل ہو جائے گی اور آپ ﷺ کا قیام مکہ میں رہے گا اس بیان سے ایک فاضل مؤلف نے یہ نکتہ بھی خوب پیدا کیا ہے، کہ جب آپ کا قیام مکہ میں آخر تک رہے گا تو وفات بھی یہیں ہوگی اور مدفن شریف بھی یہی شہر ہوگا۔

زمانہ:

سنہ و تاریخ کی بحث میں پڑنا قرآنی اسلوب بیان کے منافی ہے لیکن آیئے ہم اور آپ مل کر دیکھیں شاید کہ کچھ روشنی حضور ﷺ کے زمانہ بعثت پر بھی آیات قرآنی سے پڑ جائے۔

پہلی بات تو خوب روشن یہ ہے کہ آپ کا عہد نزول توریت ہی کے نہیں نزول انجیل سے بھی بعد کا ہے۔

اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ (الاعراف ع ۱۹)

وہ نبی امی جس کو (یہ اہل کتاب) اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

آپ ﷺ تو آپ ﷺ، آپ ﷺ کے رفیقوں، صحابیوں تک کے اوصاف توریت اور انجیل دونوں میں موجود ہیں۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ، (الفتح ع ۴)

یہ ہے بیان ان کا توریت میں اور یہ ہے ان کا بیان انجیل میں۔

پھر قرآن مجید نے قبل کے پیمبروں میں ذکر سب سے آخری پیمبر حضرت عیسیٰ کا کیا ہے اس کے یہ معنی تو کھلے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کا زمانہ حضرت عیسیٰ کے بعد کا ہے بلکہ تصریح یہاں تک ہے کہ عیسیٰ اپنے بعد آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری سنا گئے ہیں۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ. (الصف، ع ۱)

میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ﷺ ہوگا۔

اس کے بعد یہ تصریح بھی قرآن مجید ہی میں ملتی ہے کہ آپ عہد عیسیٰ سے متصل نہیں بلکہ ایک لمبے وقفہ کے بعد دنیا میں تشریف لائے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ (المائدہ، ع ۳)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ گئے ہیں دور فترۃ کے بعد جو تم کو صاف صاف بتاتے ہیں۔

فترۃ سے مراد اصطلاح میں وہ مدت ہوتی ہے، جب کسی نبی کا زمانہ نہیں ہوتا گویا حضرت عیسیٰ کے دور نبوت کو ختم ہوئے ایک عرصہ گذر چکا تھا جب ہمارے رسول ﷺ کا ظہور ہوا۔

اس سے آگے بڑھیے تو سورۂ قریش سے یہ بھی واضح ہو جاتا کہ یہ وہ زمانہ تھا جب قریش کی سرداری معاصر عرب قبیلوں کو مسلم ہو چکی تھی بلکہ قریش کی بین الاقوامی اہمیت ہمسایہ ملکوں میں مانی جا چکی تھی اور تجارتی قافلے شمال و مغرب اور جنوب و مشرق کی جانب قریش ہی کے پروانۂ راہداری کے ساتھ آمد و رفت رکھنے لگے تھے تاریخی اعتبار سے یہ وہ زمانہ ہے جب سنہ مسیحی کو رائج ہوئے ایک مدت ہو چکی تھی۔

تحقیق کا ایک قدم آگے بڑھائیے تو نظر آئے گا کہ اب زمانہ نبوت محمدی کی تعیین کے ہم بہت قریب پہنچ گئے ہیں سورہ قریش کے قبل اور اس سے متصل قرآن مجید میں سورۃ الفیل ہے جس میں خانہ کعبہ پر ابرہہ سردار حکومت حبشی النصرانی کا بیان ہے اور یہ مشہور واقعہ تاریخ کے رومی کا بیان ہے کہ ۵۷۰ء میں پیش آیا تھا مورخوں کا بیان ہے اور خود سیاق قرآنی بھی یہی چاہتا ہے کہ ولادت محمدی بس اس کے چند ہی روز بعد واقع ہوئی ہو۔

غرض آپ کے زمانہ ولادت کا پتہ تو قرآن مجید کی روشنی میں یوں کچھ نہ کچھ لگ ہی گیا اب رہا سوال زمانہ بعثت و نبوت کا تو قرآن مجید ہی سے یک عام قاعدہ انسان کے لیے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے قویٰ (اور یہاں قوت سے عقلی، خلقی ہی مراد ہیں) کی تکمیل چالیس سال کے سن میں ہوتی ہے۔

حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (الاحقاف ع ۲)

اور انسان جب اپنی پوری قوت کو پہنچا اور ۴۰ برس کا ہوا۔

اور جب یہ مقدمہ مسلّم ہے کہ نبوت اللہ کی طرف سے بشر کے لئے سب سے بڑی امانت اور سب سے بڑا اعتباری منصب ہے تو یقیناً ۴۰ ہی سال کے سن میں آپ کو اس مرتبہ سے سرفراز کیا گیا ہوگا۔ مسیحی جنتری کے حساب سے یہ سن ۶۱۰ء ٹھہرتا ہے اور اسی قیاسی ذہنی تخمین کی تصدیق وتائید روایت حدیث وسیرت سے ہوتی ہے۔

سوانح کے سلسلے میں آخری عنوان زمانہ وفات کا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب آپ ﷺ کی زندگی ہی میں آپ ﷺ پر نازل ہوتی رہی اس میں آپ ﷺ کے زمانہ وفات کا ذکر کیوں کر آسکتا تھا تاہم تقریبی زمانہ وفات پر تو کچھ روشنی قرآن مجید سے پڑ ہی جاتی ہے۔ سورۃ النصر جس میں اسلام کے پھیلنے اور لوگوں کے جوق در جوق ایمان لانے کی صاف بشارت موجود ہے روایتوں میں آتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری مکمل سورۃ اور اس کا زمانہ نزول خیر سنہ ہجری ہے اسی طرح سورۃ مائدہ کی یہ آیت۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.(المائدہ ع ۱)

میں نے آج تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پورا کر دیا اور تمہارے لئے بطور دین اسلام کو پسند کر لیا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی تھی ان تصریحات سے قرب زمانہ وفات رسول ﷺ صاف نکل آتا ہے اور یہ جو تاریخ سے ثابت ہے کہ وفات نبوی ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری میں واقع ہوئی یہ قرآنی اشاروں سے بھی ایک بالکل لگتی ہوئی بات ہے۔

قرآن مجید سے جہاں ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کوئی فوق بشر یا فرشتہ وغیرہ نہ تھے، بلکہ بشر تھے۔ جیسے دنیا میں بشر ہوا کرتے ہیں اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلوا دیا گیا ہے کہ:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو محض ایک بشر ہوں تم ہی جیسا

ایک بار سورۃ الکہف کے رکوع ۱۲ میں اور دوسری بار سورۂ حم السجدہ کے رکوع اوّل میں، اور یہ بھی کہ آپ ﷺ کوئی انوکھے پیغمبر ہو کر دنیا میں نہیں آئے تھے بلکہ آپ سے پیشتر بہت سے انبیاء ومرسلین آچکے تھے اور آپ اس سلسلہ میں کے ایک فرد تھے۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

بے شک ان بھیجے ہوؤں میں سے ایک آپ ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (النمل ع ۷)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (آل عمران ع ۱۵)

محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک رسول ہیں اور ان سے قبل بہت سے رسول گزر ہی چکے ہیں۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا. (یونس ع۱)

کیا لوگوں کو اس بات پر حیرت ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک آدمی پر وحی بھیج دی کہ لوگوں کو ڈرا دے بھی (ہمارے عذاب سے) اور مومنوں کو خوشخبری بھی پہنچا دے۔

اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلا دیا گیا:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ. (الاحقاف ع۱)

آپ کہہ دیجئے کہ رسولوں میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں۔

اور ساتھ ہی آپ کی بے اختیاری بھی ان الفاظ میں کہلا دی گئی۔

وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ (الاحقاف ع۱)

میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ کیا معاملہ میرے ساتھ پیش آئے گا اور کیا تمہارے ساتھ بلکہ یہاں تک بھی کہ

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ. (یونس ع۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے تو کسی ضرر اور کسی نفع کا اختیار ہی نہیں رکھتا مگر جتنا اللہ کو منظور ہو۔

اور آیت کا یہی ٹکڑا ایک ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ سورہ اعراف رکوع ۲۳ میں بھی ملتا ہے۔

اور وقت قیامت کے علم کی بھی نفی آپ کی ذات سے کرائی گئی ہے باوجود اس کے کہ وقوع قیامت کا ذکر بڑی شد و مد کے ساتھ آپ کی زبان سے سنا دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ (الاعراف ع۲۳)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب واقع ہوگی؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے پروردگار ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر سوا اللہ کے کوئی اس کو ظاہر نہ کرے گا۔

بلکہ آپ کی غیب دانی اور آپ کی مالکیت خزائن الٰہی اور آپ کی ملکیت اس سب کی نفی بصراحت آپ کی زبان سے کرا دی گئی۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ. (الانعام ع۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ (کی سرکار) کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس اسی حکم پر چلتا ہوں میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ دنیوی علوم و معارف سے بھی یکسر آپ کی ناشناسی ظاہر کر دی گئی حالانکہ جس عہد میں آپ کا ظہور ہوا تھا اس وقت تک بابل، مصر، چین، ایران، ہندوستان، یونان، روم، سب کہیں علوم و فنون خوب اپنا زور دکھا چکے تھے اور بڑے بڑے شاعر اور ادیب، مورخ اور مہندس، حکیم اور فلسفی، کرہ ارض کے طول و عرض میں اپنا نام پیدا کر چکے تھے اور علوم و فنون الگ رہے قرآن مجید نے تو آپ کی امیت یا حرف ناشناسی کی بھی صاف و صریح گواہی دی ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ (عنکبوت ع۵)

اور اس قرآن کے نزول سے پہلے آپ نہ تو کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے۔

اور پھر کہا ہے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ (الجمعہ ع۱)

وہ اللہ وہی ہے جس نے امیوں کے درمیان انہیں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔
اور پھر سورۂ اعراف میں قریب ہی قریب دو دو جگہ آپ کے نبی امی ہونے کا اعلان
اسی طرح ہے کہ گویا النبی الامی آپ کا علم ہے۔
رکوع ۱۸ میں ہے
اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ۔
جو لوگ پیروی کرتے ہیں رسول نبی امی کی۔
اور ساتھ ہی ساتھ جا بجا تنبیہیں بھی ہیں جیسی کہ خالق اپنی محبوب ترین و کرم ترین مخلوق سے
ہی کر سکتا ہے، چنانچہ ایک جگہ موقع جہاد پر بعض صحابیوں کے پیچھے رہ جانے کے سیاق میں ہے۔
عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا۔
(التوبہ ع۷)
اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ نے انہیں کیوں اجازت دیدی؟ آپ کو رکنا تھا
جب تک ان لوگوں کا سچا ہونا آپ کو معلوم ہو جاتا۔
اسی طرح ایک واقعہ خیانت کے سلسلہ میں
وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ (النساء ع۱۶)
اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں اور اللہ سے استغفار کریں۔
اور اسی کے بعد
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔
آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کیجیے جو اپنی ذاتوں میں خیانت کرتے ہیں۔
یا ایک مرتبہ جنگ کے قیدیوں کے باب میں
مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ۔
(الانفال ع۹)

نبی کی شان کے لائق نہ تھا کہ ان کے پاس قیدی قیدی رہتے جب تک کہ وہ
زمین پر اچھی خونریزی نہ کر لیتے۔
یا بعض مشرکوں کے لیے استغفار کے سلسلہ میں
مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ
قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (التوبہ ع۱۴)
نبی اور مومنین کے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ مشرکوں کی مغفرت کی دعا کرتے
خواہ وہ اس کے قرابتدار ہی کیوں نہ رہے ہوں، جب کہ ان پر ظاہر ہو چکا تھا
کہ وہ لوگ دوزخی ہیں۔
یا پھر اسی طرح ایک محبوب و مقبول صحابی حضرت زید کی مطلقہ بیوی کے بیان میں۔
وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ
تَخْشٰهُ (الاحزاب ع۵)
اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا
اور آپ لوگوں کی طرف سے اندیشہ کر رہے تھے درآنحالیکہ اللہ ہی اس کا زیادہ
سزاوار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔
یا ایک اور سلسلہ میں جب کہ آپ نے ایک نابینا صحابی پر توجہ کرنے کے بجائے فوری
توجہ اشراف قریش کی طرف کر دی تھی جن پر آپ ﷺ تبلیغ دین کر رہے تھے۔
عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى۔ (عبس)
پیغمبر چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا اس بات پر کہ ان کے پاس ایک نابینا
آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور ہی جاتا۔
تو یہ چند مقامات تھے، جہاں کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو ۲۳ سال کی نہایت درجہ معروف
و مشغول پیغمبرانہ زندگی میں تنبیہات بھی ملی ہیں۔ لیکن دوسری طرف فضائل اسی کثرت سے

وارد ہوئے ہیں اور آپ کے پیغمبرانہ خصائص و فرائض کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انسان حیرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے اور قرآن کا ہر بے تعصب اور انصاف پسند طالب علم یہ کہنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے کہ ایسی پاکیزہ، بے نفس اور جامع اخلاق زندگی بے شک اس قابل تھی کہ اس ساری نوع انسانی کے سامنے طور نمونہ و نظیر کے پیش کیا جائے۔

اس سلسلہ بیان کو شروع کر جامع آیت سے کیجیے جس میں خطاب یا تو عام نوع بشر سے اور یا تو عرب سے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبة ع ۱٦)

بے شک آئے ہیں تمہارے پاس ایک پیغمبر تمہیں میں سے گراں گزرتی ان پر ہر چیز جس سے تم تکلیف پاؤ وہ حریص ہیں تمہارے اوپر اور ایمان والوں پر تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔

آیت میں اگر جمہوری قرأت کے ساتھ انفسکم پڑھئے تو مفہوم یہ پیدا ہوگا کہ وہ کوئی اجنبی نہیں کسی غیر جنس کی مخلوق نہیں تمہارے آپس کے ہیں اور تم ہی جیسے ہیں۔ ان سے مغایرت اور نا مانوسیت کا کوئی محل نہیں۔

اور اگر انفسکم (بہ فتحہ فا) پڑھا جائے کہ وہ بھی ایک قرأت متواترہ ہے تو معنی یہ نکلیں گے کہ وہ تمہارے بہترین اور نفیس ترین میں سے ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر انسانی تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے وہ اس سے انسان کو رہائی دلانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ انسانوں کے حق میں اپنی فرط شفقت سے حریص ہیں اپنی امت کے حق میں وہ تو ان دو صفات کے مالک ہیں جو اللہ اپنے بندوں سے متعلق رکھتا ہے یعنی رافت و رحمت اور امت کے حق میں ان کی شفقت و دلسوزی بے پایاں ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا ایک احسان عظیم ہے اور آپ کے فرائض و مشاغل خود اس

پر دلیل کا کام دیتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (آل عمران ع ۱۷)

اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان کے درمیان ایک رسول بھیجا انہیں میں سے، جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی اور گو وہ اس سے قبل صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

آیت سے جہاں ایک طرف رسول ﷺ کا درجہ و مرتبہ عند اللہ معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ کی بعثت کو اپنے احسان سے تعبیر کیا ہے وہیں آپ کے روزانہ مشاغل پر بھی اس سے روشنی پڑ گئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ آپ امت تک قرآن مجید نہ صرف پہنچاتے تھے بلکہ اس کی تعلیم دیتے اور شرح کرتے رہتے اور تزکیہ نفس کے کام میں لگے رہتے یعنی اصلاح ظاہری و اصلاح باطنی دونوں میں۔

اس سے ملتا ہوا مضمون ایک دوسری آیت کا بھی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعه ع ۱)

وہ اللہ ہی ہے جس نے امیوں کے درمیان ایک رسول بھیجا انہیں میں سے جو ان پر اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں سنوارتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ وہ (لوگ) اس سے قبل صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

مشاغل روزانہ اور فرائض نبوی کا عکس اس آیت میں بھی نظر آ جاتا ہے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ. (البقرہ ع ۱۵)

جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے درمیان ایک رسول تمہیں میں سے جو تمہیں پڑھ کر سناتا ہے ہماری آیتیں اور تمہیں سنوارتا ہے اور تمہیں تعلیم دیتا ہے کتاب و حکمت کی۔ اور وہ سکھاتا ہے وہ جو تم نہیں جانتے تھے۔

قرآن مجید کی تبلیغ و تعلیم کا تو ذکر مستقلاً آ ہی چکا۔ آیات قرآنی نے تصریح کر دی کہ اس کے اور تزکیہ نفوس کے علاوہ آپ حکمت اور ایسی باتوں کی بھی تعلیم دیتے تھے جو اس وقت تک امت کے دائرہ علم میں نہ تھیں اور اس سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ الفاظ قرآنی سے قطع نظر خود بھی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے اور نظری و عملی حیثیت سے وہ رہنمائی اپنی قوم کی کرتے جو اب تک اس کے دماغ کی رسائی کے باہر تھی۔

اور آپ کی بعثت کی غرض و غایت تو بہت صاف ارشاد ہو گئی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. (الانبیاء ع ۷)

ہم نے آپ کو بھیجا ہی ہے رحمت بنا کر جہانوں کے لیے۔

یعنی آپ تو سب رحمت ہی ہیں کل جہان والوں کے لیے۔

آپ کی اطاعت مخلوق پر واجب ہی نہیں بلکہ مرادف ہے اطاعت الٰہی کے۔

وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ. (النساء ع ۱۱)

جس نے اطاعت کی رسول ﷺ کی اس نے عین اطاعت کی اللہ کی۔

اور یہ جب ہی ممکن ہے جب آپ کا ہر خطا و لغزش سے معصوم ہونا پہلے تسلیم کر لیا جائے۔ ورنہ غیر معصوم سے تو ہمیشہ احتمال رہے گا کہ فلاں معاملہ میں اس سے لغزش مرضیات حق کی ترجمانی میں ہو گئی ہو اور اطاعت رسول کی تاکید کرنے والی آیتیں ایک نہیں متعدد ہیں۔ بعض بلاواسطہ اور کثیر بالواسطہ، چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (الحشر ع ۱)

اور رسول جو کچھ تمہیں دے دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ۔

اور اس مختصر و جامع میں رسول ﷺ کے سارے احکام مثبت و منفی آ گئے ساتھ ہی کلی و مجموعی طور پر یہ بھی بتا دیا گیا کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ع ۳)

بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے۔

اس لیے قدرۃً آپ کا ہر قول و عمل امت کے لیے واجب التقلید ہے، تاوقتیکہ اس کے خلاف کوئی تصریح نہ ہو۔

اب وہ آیتیں بھی ملاحظہ ہوں جن میں اطاعت رسول ﷺ کا حکم براہ راست موجود ہے، اطاعت الٰہی پر عطف ہو کر سورہ آل عمران ع ۴ میں ہے۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ

آپ کہہ دیجیے کہ اطاعت کرو اللہ اور رسول ﷺ کی۔

اور اسی سورۃ کے رکوع ۱۴ میں لفظ قل حذف کر کے ہے

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ

اور اطاعت کرو اللہ اور رسول ﷺ کی

سورۃ النساء رکوع ۸ میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ.

اے ایمان والو، اطاعت کرو اللہ کی۔ اور اطاعت کرو رسول کی۔

اس کے متصل اطاعت اولوالامر کا بھی حکم ہے، لیکن معاً بعد یہ بھی ارشاد ہو گیا ہے کہ

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ.

اگر تمہارے آپس میں کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو حوالہ کر دیا اس امر کو
اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف۔

خوب غور کر لیا جائے۔ اپیل کی عدالت صرف بارگاہ خداوندی نہیں دربار رسول ﷺ بھی ہے اور اس سے بڑھ کر کسی مخلوق کا اعزاز خالق کے یہاں کس طریقہ پر ظاہر کیا جا سکتا ہے؟ اور اطاعت رسول والے وہی الفاظ جو ایک منٹ قبل سورۃ النساء سے نقل کیے جا چکے ہیں ایک بار پھر سورہ محمد رکوع ۴ میں دہرائے ہوئے ملتے ہیں۔

سورۃ المائدہ کے رکوع ۱۲ میں پہنچئے تو پھر یہی تاکید ملتی ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور اطاعت کرتے رہو رسول ﷺ کی۔

اور انہیں الفاظ کا تکرار سورۃ التغابن کے رکوع ۲ میں واقع ہوا ہے۔

سورۃ الانفال کھولیے تو اس کے شروع یعنی پہلے ہی رکوع میں یہ الفاظ نظر آتے ہیں۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو۔

اور سورۃ کے تیسرے رکوع کا آغاز ہی اس آیت سے ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اے ایمان والو اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی۔

سورۃ میں تیسری بار پھر یہی حکم ملتا ہے اور رکوع ۶ میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اطاعت کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی اور انہی الفاظ کا اعادہ سورۃ المجادلہ رکوع ۲ میں ہوا ہے۔

پھر سورۃ النور کے رکوع ۷ میں پہنچیے تو یہ ہے کہ

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

آپ کہہ دیجیے کہ اطاعت کرو اللہ اور اطاعت کرو رسول کی۔

اور پھر اسی رکوع میں اور آگے بڑھ کر ہے کہ

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر مہربانی کی جائے۔

کئی جگہ صریح حکم اطاعت رسول ﷺ کا صیغہ امر میں اور وہ بھی اکثر طاعت الٰہی پر عطف کر کے قطعی کسی اور مخلوق کے حق میں وارد نہیں ہوا ہے اور یہ نظر تو حکم اطاعت بہ صیغہ امر کے ہوئے باقی دوسرے طریقوں سے اسی مفہوم کی جو تبلیغ و تلقین اور تاکید ہوئی ہے وہ بھی کچھ کم موثر اور پر زور نہیں۔

سورۃ النساء رکوع ۱۱ کی ایک آیت وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ تو پہلے ہی نقل ہو چکی ہے اسی سورۃ کے رکوع ۹ میں نعمت یافتہ بندوں کی معیت کے سلسلہ میں یہ آ چکا ہے کہ۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

(یہ وہ ہیں) جو اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔

اور اس سے بھی قبل اسی سورۃ کے رکوع ۲ میں جہاں اہل شرع کا ذکر ہے وہاں بھی ٹھیک یہی الفاظ موجود ہیں ..... اور آیت کا یہی ٹکڑا لوٹ لوٹ کر سورۃ النور رکوع ۷ اور سورۃ الاحزاب رکوع ۹ اور سورۃ الفتح رکوع ۲ میں بھی آیا ہے۔

حکم کی یہ سب تاکیدیں لفظ اطاعت کی صراحت کے ساتھ تھیں ایک جگہ مصدر اتباع آیا ہے وہ بھی اس شان کے ساتھ اتباع رسول ﷺ کو عین ذریعہ اللہ کے ہاں محبوبیت کا قرار دے دیا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ع ۴)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے

کثبت کرتے رہتے گا۔

اور یہ ثبت دینے کی پہلو کے علاوہ یہی مضمون متعدد منفی اور سلبی پہلوؤں سے بھی قرآن مجید میں آیا ہے مثلاً

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ اور اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی، اور جو کوئی عداوت رکھے گا اللہ اور اس کے رسول سے اور جو کوئی دکھ پہنچائے گا رسول کو اور جو لوگ دشمنی رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے۔

اور اسی قبیل کی دوسری آیتیں اور وہ آیتیں جن میں ذکر رسول سے نافرمانی کرنے یا معصیت رسول کا آیا ہے اگر یہ سب استدلال واستشہاد کی غرض سے نقل ہونے لگیں تو یہ محدود وقت گنجائش رکھنے والے لیکچر اپنے حدود سے بڑھ اور بہت بڑھ جائیں اس لیے سامعین کو اس خاص سلسلہ میں قناعت اتنے ہی پر کرنا ہوگی۔

لیکن ابھی دو چار نہیں بیسیوں آیتیں اور ہیں جن میں رسول ﷺ کے فرائض اور فضائل اور خصائص تیوب کا بیان موجود ہے ان سب سے قطع نظر کیوں کر ممکن ہے؟ اور اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو سیرۃ نبوی کا قرآنی خاکہ بالکل ہی ناتمام رہ جائے گا اور اتنی اختصار پسندی اصل موضوع کے ساتھ ایک طرح کی خیانت ہی ہوگی۔

رسول ﷺ کے فرائض کا جہاں تک تعلق ہے (اور ضمناً فضائل بھی اس میں آگئے) یہ آیت اس باب میں بہت صاف واضح ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ (الاحزاب ع۷)

اے پیغمبر، ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خبردار

کرنے والا اور اللہ کی طرف اسی کے حکم سے بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

شاہد کی تفسیر یہ ہے کہ آپ ﷺ سب پر گواہی دیں گے اور اس صفت کا ظہور حشر میں ہوگا۔ مبشر ونذیر کے معنی صاف ہیں اچھوں کو صدیقین کی خوشخبری سنانے والے اور بدوں کو اس کے نتیجہ سے ڈرانے والے اور اللہ کی طرف اسی کے حکم ورضا سے دعوت دینے والے اور ایک روشن چراغ جیسی نمونہ ہدایت، کہ آپ ہی کے چراغ سے خدا معلوم کتنے اولیاء صالحین کے چراغ آج تک روشن ہو چکے ہیں اور آئندہ بھی روشن ہوتے رہیں گے اور یہ مضمون قرآن میں جا بجا آیا ہے اور اسی سراج منیر کی آیت سے استشہاد کر کے جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔

تو تمہارے پاس آگیا ہے اللہ کے یہاں سے ایک نور (اور) ایک کتاب واضح بھی۔

وہاں نور سے اشارہ ذات رسالت کی جانب ہے تو انہوں نے کچھ بے جا تفسیر وتاویل نہیں کی ہے۔

آپ ﷺ کے فضائل کی ایک جامع سورۃ سورۃ الانشراح ہے جہاں ارشاد ہوا ہے کہ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا ہے اور آپ سے آپ کا وہ بار اتار دیا جو آپ کی پشت توڑ رہا تھا۔

یعنی آپ کا شرح صدر کر کے آپ کے قلب وروح کو علوم ومعارف ربانی سے بھر دیا اور ہدایت خلق کی فکر میں جو آپ گھلے جا رہے تھے اس بار کو آپ کے لیے ہلکا کر دیا۔

اس سے آپ کی اس عادت مبارک پر بھی روشنی خود بخود پڑ گئی کہ ہدایت خلق کی فکر آپ

کو کتنی مشقت وتعب میں ڈالے ہوئے تھی اور اس کے معاً بعد یہ مژدہ بھی ہے کہ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

ہم نے آپ کے لیے آپ کا آوازہ بلند کر دیا۔

آج دنیا میں کون بشر ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ کے آوازہ کی بلندی میں کلام کر سکتا ہے؟ کوئی شخص کسی بھی عقیدہ اور مذہب کا ہو آخر آج اس سے کیسے انکار کر سکتا ہے کہ دنیا کی بشری آبادی میں صرف ایک ہی ذات ایسی ہے جس کا نام خدائے واحد کے نام کے ساتھ ساتھ، دنیا کے ایک ایک گوشہ سے ہر روز پانچ پانچ مرتبہ پکارا جاتا ہے۔

اور یہ دلسوزی اور پشت توڑ دینے والی ہمدردی نوع انسانی کا بیان اسی آیت تک محدود نہیں۔ دوسری آیتوں میں اس جذبہ رفاہ خلق کی تصریح در تصریح موجود ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ہے کہ منکروں کے فلاں فلاں قول سے

وَضَائِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ (هود ع ٢)

آپ کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے۔

ایک جگہ اس سے بھی زیادہ فاش و برملا ہے، مسیحیوں کی شدید گمراہی اور مسیح پرستی کے شرک کے سیاق میں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ (الكهف ع ١)

تو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو اپنی جان دے دیں گے۔

یہ تمنیٰ اور دلسوزی جب غیروں کے واسطے تھی تو اپنی امت کے حق میں اس کا جو درجہ ہوگا ظاہر ہی ہے۔ دوسری جگہ بھی منکروں ہی کے سلسلہ بیان میں ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء ع ١)

شاید ان کے ایمان نہ لانے پر آپ اپنی جان ہی دے دیں گے۔

جو عام انسانی کے لیے ایسے ہی غم جان گداز میں گھلتا رہتا ہو۔ حقیقۃً اسی کو حق بھی سارے عالم کی رہبری اور تمام دنیا و مرسلین کی سرداری کا ہے۔

اور جب مقتدائی میں آپ کا یہ مرتبہ تھا۔ جبھی تو یہ قرار پایا کہ اللہ کے یہاں مقبول محبوب ہونے کا نسخہ یہ ہے کہ اس کامل ہستی کے نقش قدم پر چلا جائے۔

خود آپ کی زبان سے اعلان کرا دیا گیا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ع ٤)

آپ کہہ دیجیے، کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو بس میری راہ پر چلو اللہ تم سے محبت رکھنے لگے گا

رسول ﷺ کے فرائض میں نمایاں طور پر یہ بات داخل تھی کہ آسمانی کتابوں کو ماننے والی پرانی قومیں اپنے ہاتھوں تقلید انسانی اور اوہام پرستی کے جن عذابوں میں جکڑی تھیں انہیں ان قیدوں اور سختیوں سے نجات دلائیں اور انہیں دین کا سیدھا، ہموار، راستہ دکھائیں چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ پیغمبر جن کا ذکر توریت وانجیل میں آچکا ہے۔

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف ع١٩)

انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو ان سے دور کرتے ہیں۔

اور اتنا ہی نہیں بلکہ اہل کتاب کے مقتداؤں نے تحریفات وتلبیسات وتصرفات کا انبار جو اپنی آسمانی کتابوں میں لگا دیا تھا اسے بھی یہ صاف کرتے ہیں اور ان مجرموں کی بہت سی

باتوں سے درگزر بھی کر جاتے ہیں، روئے خطاب اہل کتاب کو مخاطب کر کے ہوتا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (المائدہ ع۳)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آگئے ہیں کتاب میں سے جن امور کو تم چھپاتے رہے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے کھول دیتے ہیں اور (تمہاری) بہت سی باتوں سے چشم پوشی بھی کر جاتے ہیں۔

آپ کی راہ میں مشکلات کتنی حائل ہوگئی تھیں اور تبلیغ رسالت کے لیے مواقع کتنے سخت پیش آگئے تھے کہ ان حالات میں ثابت قدم رہ جانا معمولی ہمت والے انسان کا کام نہ تھا آپ ﷺ کو استقامت اور ثبات قلب وثبات قدم کی طاقت بھی اسی سے غیر معمولی عنایت کی گئی۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ع۸)

اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کچھ تو ان لوگوں کی طرف جھک جاتے۔

یہ بیان فطرت بشری کا ہے۔ بشریت کا عین مقتضا یہ تھا کہ آپ ان منکرین سے کسی قدر کوئی صورت مصالحت ومفاہمت کی نکال لیتے۔ لیکن امداد غیبی آڑے آگئی اور اس نے درجہ دنی میں آپ ﷺ کو اپنی جگہ سے جنبش نہ ہونے دی۔

منکرین معاندین کے شدید مخالفانہ رویہ سے آپ کو اذیت قلب محسوس ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ اس پر آپ کو علانیہ تسکین دی گئی کہ یہ کوئی آپ کی ذاتی حیثیت سے تکذیب تھوڑی ہی ہوئی یہ تکذیب تو عین آیات ودلائل الٰہی اور آپ کے پیام کی ہے تو آپ اس سے اپنی ذات پر اتنا اثر کیوں لیں۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (الانعام ع۴)

ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی یہ باتیں آپ کو رنج دلاتی ہیں۔ لیکن یہ لوگ تکذیب آپ کی نہیں کرتے۔ بلکہ آیات الٰہی کے منکر ہٹ دھرمی سے ہو رہے ہیں۔

ورنہ ذاتی حیثیت سے تو آپ کی سیرت اتنی ممتاز اور آپ کا پایہ اخلاق اتنا بلند تھا کہ بڑے بڑے منکروں معاندوں کو بھی حرف گیری کی گنجائش نہ تھی آپ کی زندگی اتنی بے لوث بے داغ رہی تھی کہ خود اسی کو حجت بنا کر منکروں کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے سوال کر دیا گیا کہ میں تو تمہارے ہی اندر رہا سہا ہوں تمہارے ہی اندر اتنی عمر گزاری ہے تم ہی بتاؤ کہ اس سے قبل تمہیں کوئی بدگمانی کا موقع ملا ہے؟

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس ع۲)

میں تمہارے ہی درمیان اس (دعوی نبوت) سے قبل ایک عمر گزار چکا ہوں سو تم لوگ کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟

اور یہ بھی کہلایا گیا ہے کہ اگر میں ارادۃً غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا ہوں تو تمہاری تشخیص کے مطابق لازمی ہے کہ مجھے کوئی دماغی بیماری ہو، کہ اس میں پڑ کر میں اس وہم میں مبتلا ہو گیا ہوں تو اس مفروضہ کو بھی تم اپنی علم وتحقیق کی کسوٹی پر کس کے دیکھ لو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (السباء ع۶)

آپ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ دو دو، ایک ایک، پھر سوچو کہ تمہارے (اس) ساتھی کو کہیں جنون تو نہیں ہے۔

اور پھر اسی کو مختصراً دہرایا گیا ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ

یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ ان کے ساتھی کو کوئی شائبہ جنون کا ہے نہیں۔

پھر لے دے کے ایک احتمال یہ ہوسکتا تھا کہ شاید کوئی طمع دنیوی آپ کو اس منزل پر لائی

ہو۔ قرآن مجید نے اس احتمال کی بھی جڑ کاٹ دی۔

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ (السبا، ع ٦)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے (اس تبلیغ رسالت) کا کوئی معاوضہ مانگا ہو تو بس وہ تمہارا ہی رہا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے۔

اور اسی کے ہم مضمون فقرے حضرت نوحؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ہودؑ کی زبان سے دہرا کر رسول اللہ ﷺ کے اس جواب کو اور زیادہ قوی و موکد کر دیا ہے۔

قرآن مجید آپ کو عزت و احترام کے جس مرتبہ پر رکھنا چاہ رہا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس کا مبین میں قسم آپ کی عمر کی دلائی گئی ہے قوم لوط کی بدکرداریوں اور بدمستیوں کے سلسلہ میں ہے کہ

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (الحجر، ع ٥)

قسم ہے آپ کی جان کی وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

اور قسم کا استعمال اگر عربی میں شہادت کے مفہوم میں ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ حضور کی ساری زندگی کو صداقت کی نظیر کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آپ کی مرتبت عالی پر روشنی اس حقیقت سے بھی کچھ نہ کچھ پڑ جاتی ہے کہ جہاں اور ہم منصب حضرات کا ذکر صیغہ نداء میں نام کے ساتھ آیا ہے یا آدم، یا ابراہیم، یا موسیٰ، یا داؤد وغیرہم، وہاں آپ کا ذکر قرآن مجید بھر میں مخاطبت کے وقت نام کے ساتھ نہیں بلکہ صفات کمال و جمال میں سے کسی نہ کسی صفت ہی کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ، يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ

وغیرہ اور صیغہ غائب میں مطلق لفظ عبد سے اشارہ آپ ہی کی طرف کیا گیا ہے جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ عبدیت اپنی کامل ترین و اکمل صورت میں جلوہ گر آپ ﷺ ہی کی ذات میں ہوتی ہے۔

اسی قسم کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہنے کی ہے کہ قرآن مجید میں قسم ایک شہر کی بھی مذکور ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔

آیتیں ما بعد تو رسول ﷺ کو مخاطب کرتی ہے۔

وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد) اور آپ اس شہر میں اترے ہوئے ہیں۔

یا آپ کے لیے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے۔

ان دونوں تفسیروں میں سے جو بھی اختیار کی جائے۔ بہر حال اتنا تو صاف ہے کہ اس مکان کو جو شرف و عظمت حاصل ہے وہ اس مکین کی نسبت سے ہے آپ اس شہر میں مقیم فرض کئے جائیں یا آپ کے لیے اس حرم محترم میں جنگ جائز ہو رہی ہو۔ ہر صورت میں آپ کی نسبت ہی باعث احترام ہوئی۔

مشہور واقعہ معراج کی تفصیلی کیفیت جو کچھ بھی ہو، بہر حال قرآن مجید اس کی گواہی تو دے ہی رہا ہے کہ وہ ایک واقعہ عظیم و نادر تھا۔ جس سے آپ ﷺ کی یکتائی ظاہر ہو رہی ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا (بنی اسرائیل ع ١)

وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو لے گیا۔ راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں تاکہ ہم انہیں اپنے کچھ نشانات دکھا دیں۔

اور اسی طرح دوسری جگہ رسول ﷺ کی جس سیر آسمانی کا ذکر کیا گیا ہے اور جس طرح آپ کی روحانیت کے مرتبے دکھائے گئے ہیں وہ آپ کو نہ صرف عام نوع بشری میں بلکہ صف انبیاء و مرسلین میں بھی کتنا ممتاز کرنے والا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى۔ (النجم ع ١)

یہ تمہارے ساتھی (اس عالم میں بھی) نہ راہ سے بھٹکے نہ غلط راستہ پر پڑے۔

بلکہ آپ ﷺ کا مرتبہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ جو چیزیں پیش کر رہے ہیں وہ کوئی بھی اپنی خواہش نفس سے نہیں بلکہ وحی الٰہی ہی کے ماتحت ہیں۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔

اور آپ اپنی خواہش نفس سے باتیں نہیں بناتے بلکہ ان کا ارشاد وحی ہی ہوتا ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اور اس خاص موقع پر۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ۔

اللہ نے اپنے بندہ پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمانا تھی اور (آپ کے) قلب نے کوئی غلطی دیکھی ہوئی چیز میں نہیں کی۔

اور اس نگہ نورانی کی دید اور دوسرے تجلیات ربانی کے مشاہدہ کی جن منزلوں سے اور جس طرح گزرے اس کی روداد بھی اجمالی سہی لیکن بڑی پختگی کے ساتھ قرآن کے صفحات میں محفوظ ہے۔

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ۔ (النجم ع ۱)

اور ان پیمبر نے اس فرشتہ کو ایک بار اور بھی دیکھا (سدرۃ المنتہیٰ) کے قریب، جبکہ (سدرۃ المنتہیٰ) کو لپٹ رہی تھیں جو چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں۔ (ان پیمبر کی) نگاہ نہ ہٹی نہ بڑھی، انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھ لئے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وحی کا آنا کسی حکمت و مصلحت سے کچھ دور کے لیے بند ہو گیا اور

کل پر معاندین کو خوب شادیانے بجانے کا موقع مل گیا ان کے خیالات خام کے رد و ابطال میں رسول ﷺ ہی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ۔ (الضحیٰ)

آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ چھوڑا اور نہ وہ بیزار ہوا۔

اور دست بردار ی و بیزاری کا کیا ذکر ہے آپ کا مستقبل آپ کے ماضی سے آپ کا انجام آپ کے آغاز سے بھی کہیں زیادہ عالی شان و تابدار رکھ دیا گیا ہے۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ۔ (الضحیٰ)

آخرت آپ کے لیے دنیا سے کہیں بہتر ہے۔

اتنا ہی نہیں آپ کی رضا خود آپ کے خالق کو کس درجہ مدنظر ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ (الضحیٰ)

عنقریب اللہ آپ کو اتنا کچھ دے گا کہ آپ اس سے خوش ہو جائیں گے۔

اور اس عطاء اور بخشش ہی کے سلسلہ میں وہ لفظاً چھوٹی اور معناً بڑی آیت بھی پڑھ لینے کے قابل ہے إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر)

اور اب کوثر کو خواہ جنت کی حوض و نہر کے معنی میں لیا جائے خواہ خیر کثیر کا مرادف سمجھا جائے یہ ہے وہ بشارت عظیم، جو آپ ﷺ کے سوا خلق میں اور کسی کو بھی نہیں ملی۔ اور اسی معنی کی تائید و تاکید و تقویت میں یہ آیت بھی ہے۔

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ (القلم ع ۱)

اور آپ کے لیے بے شک ہے اجر غیر منقطع۔

قرآن کی زبان جس اجر کو غیر منقطع بتائے اس کی حد و نہایت کا کون حساب لگا سکتا ہے؟ ایک جگہ قرآن نے آپ کے ایک ایسے وصف جامع کا ذکر کر دیا ہے جس کے اندر سارے ہی اوصاف آ سکتے اور آ جاتے ہیں۔ اور اس کی شرح و تفصیل جتنی بھی کی جا سکے، وہ وصف اتنا

جامع ہے کہ اس پر کسی اضافہ کا امکان نہیں ارشاد ہوا ہے کہ:

إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ع ۱)

اے پیغمبر آپ اخلاق کے عظیم پیمانہ پر ہیں۔

خلق صیغہ جمع میں ہے اور اس کے اندر اخلاق حسنہ کے سارے ہی اصناف و افراد آگئے پھر جب قرآن نے جو صاحب خلق کی زبان سے نا آشنائے محض ہے اس کے ساتھ صفت عظیم کی بڑائی تو اب یہ صفت اس وسعت و بلندی کو پہنچ گئی جو بندوں کے ادراک کی رسائی کی منتہا ہے۔

کہیں کہیں قرآن اخلاق حسنہ کی اس جامعیت کی کچھ تفصیل و تصریح کرتا گیا ہے مثلاً ایک جگہ نا موافق احوال کے سیاق میں ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْكُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ (آل عمران ع ۱۷)

اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ ان لوگوں کے حق میں نرم رہے اور اگر آپ کہیں تند خو سخت طبیعت والے ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجیے اور ان کے لیے استغفار کر دیجیے۔

اس سے ہر قسم کی سخت مزاجی کی نفی اور نرم خوئی کا اثبات پوری طرح ہو گیا اور کہیں یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے ہاں سے جو باتیں آپ کی معلوم ہوتی رہتی ہیں ان کو لوگوں سے بتانے میں آپ ذرا بھی بخل کو کام میں نہیں لاتے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (التکویر)

اور یہ رسول ﷺ غیب کے بتانے میں ذرا بھی بخیل نہیں۔

تحریک شفقت کی نہیں۔ افراط شفقت و دلسوزی سے آپ ﷺ کو منع کرنے کی ضرورت تھی۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ (الفاطر ع ۳)

ان لوگوں کے حال پر غم کر کے کہیں آپ جان نہ دے بیٹھیں۔

عبادت خصوصاً عبادات شبینہ کے آپ ﷺ بہت عادی تھے

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُوْمُ أَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ (المزمل ع ۲)

آپ کے پروردگار کو اس کا علم ہے کہ آپ رات کی دو تہائی رات کے قریب اور آدھی آدھی رات اور تہائی رات کھڑے رہتے ہیں۔

ان مجاہدات شاقہ سے قرآن مجید کو آپ کو روکنے کی ضرورت پڑی اور غایت شفقت و کرم سے ارشاد ہوا۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى (طٰه ع ۱)

ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

معاندین کی مسلسل شرارتوں پر تسکین آپ کو بار بار دی گئی ہے اور ایک جگہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ آپ قابل ملامت قابل الزام کسی طرح بھی نہیں

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُوْمٍ (الذاریات ع ۳)

آپ لوگوں کی طرف التفات نہ کیجیے اور آپ پر کوئی ملامت نہیں۔

اور ایک جگہ تسلی کے لیے شفقت خاصہ اور عنایت خصوصی کے لفظوں وارد ہوئے ہیں کہ آپ تو ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطور ع ۲)

آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر کرتے رہیے آپ تو خاص ہماری حفاظت میں ہیں۔

منکرین و معاندین کے پاس بڑا حربہ طنز و استہزاء کا تھا قرآن مجید نے تسکین کا پہلو سے بھی دی۔

إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ (الحجر ع ۶)

(ان) استہزاء کرنے والوں سے ہم آپ کے لئے کافی ہیں۔

اس سے شخصی استہزاء کا وجود تو ثابت ہی ہو گیا۔

مخالفین دعوت دین کثرت سے تھے، جیسا کہ قرآن مجید کے متعدد اشاروں سے معلوم ہوتا ہے تصریح کے ساتھ مگر ابولہب کا اور اس کی بیوی کا آتا ہے، ابولہب کا نام تاریخ میں عبدالعزیٰ آیا ہے اور سیرت کی کتابوں میں آیا ہے کہ وہ علاوہ آپ کا عزیز قریب یعنی چچا ہونے کے پڑوسی بھی تھا یہ خود اور اس کی بیوی جو اموی خاندان کی تھی، دونوں اذیت رسانی میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور پڑوس کی بنا پر انہیں اس کے موقعے بھی زیادہ تھے قرآن مجید نے ان الفاظ میں ان کے تذکرہ میں کہا ہے۔

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ (لہب)

ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ (ابولہب کے (یعنی اس کی ساری کوششیں اور تدبیریں ضائع گئیں) اور وہ ہلاک ہو گیا، کچھ کام اس کے نہ آیا نہ اس کا مال اور اس کی کمائی۔

بڑا غرہ معلوم ہوتا ہے اسے اپنے مال و دولت پر تھا، اور جو انجام اس کا ہوا ایسا ہی کہنا چاہیے کہ دشمنان رسول ﷺ کے جتنے سرغنہ تھے سب کا ہوا پیش خبری واضح لفظوں میں کر بھی دی گئی تھی

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (الکوثر)

جو آپ کا دشمن ہے بے شک وہی بے نام و نشان (رہ جانے والا) ہے۔

اور زیادہ عام اور وسیع الفاظ یہ ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. (التوبۃ ع۸)

جو لوگ رسول اللہ کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔

آپ صرف رسول ﷺ ہی نہ تھے، یعنی سلسلہ نبوت میں سے ایک بلکہ اس سلسلہ کے خاتم اور آخری نبی بھی تھے، آپ کے نام کی تصریح کے ساتھ آیا ہے کہ

وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ. (الاحزاب ع۵)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور انبیاء کے خاتم (بھی)

آپ کی اگلی اور پچھلی تقصیریں، اگر کچھ تھیں سب معاف ہو چکی تھیں۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (الفتح ع۱)

تاکہ اللہ آپ کے وہ گناہ جو پہلے ہوئے اور جو پیچھے ہوئے وہ سب بخش دے۔

اور بات اپنی جگہ دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ پیمبروں کے سلسلہ میں جب ذنب و عصیاں کا استعمال ہو گا تو وہ انہیں کی شان و مرتبہ کے مطابق ہو گا۔ عام بشری معیار سے الگ۔ آپ ﷺ کا استغفار، مومنین صادقین تو الگ رہے۔ ظالموں فاسقوں تک کے حق میں مقبول و موثر تھا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (النساء ع۹)

اور اے پیمبر جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

دنیا میں رسول ﷺ کی موجودگی نزول عذاب الٰہی سے روک بنی ہوئی تھی، صاف ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ (الانفال ع۴)

اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ آپ ان کے درمیان موجود ہوں اور وہ (اس حال میں) انہیں عذاب دے۔

رسول ﷺ سے بیعت اللہ سے بیعت کے مترادف تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ. (الفتح ع۱)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ (درحقیقت) اللہ ہی سے

بیعت کرتے ہیں۔

ایمان کا معیار ہی یہ رکھا دیا گیا ہے کہ معاملات میں حکم پیغمبر کو بنایا جائے اور ان کے فیصلہ کو بلا کراہت قبول کر لیا جائے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء ع ۹)

تو قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ انہیں ایمان نصیب نہ ہوگا جب تک یہ نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ فیصلہ آپ سے کرائیں اور آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں تنگی (بھی) نہ پائیں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں۔

قرآن کی تصریح بار بار آئی ہے کہ آپ خصوصی فضل و رحمت الٰہی کے مورد تھے۔ مثلاً

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء ع ۱۷)

اللہ نے آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل رہا ہے۔

یا جیسے اس طرح بالواسطہ

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا أَنْ يُّلْقٰى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (القصص ع ۹)

اور آپ کو تو یہ امید ہی نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل ہوگی لیکن آپ کے پروردگار کی رحمت سے اس کا نزول ہوا۔

ایسے سردار و سردار کی خانگی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کے لیے کچھ خصوصی آداب بھی مقرر ہونے تھے۔ چنانچہ یہ ہے، مثلاً ایک ادب یہ تھا کہ آپ کو اگر پکارا جائے تو اس طرح نہیں جیسے لوگ ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور ع ۹)

(لوگو) اپنے درمیان رسول کو اس طرح نہ پکارا کرو جیسے تم ایک دوسرے کو

پکارتے ہو۔

آپ کی محفل سے بلا اجازت اٹھ جانا ممنوع ہو۔

وَإِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوْهُ.

(مومنین) رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں، جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے، تو جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں نہیں جاتے۔

آپ کا حق مومنین پر ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (الاحزاب ع ۱)

نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں۔

وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب ع ۱)

اور نبی کی بیبیاں مومنین کی مائیں ہیں۔

اور جب یہ ہوا تو اس اصل کی ایک فرع قدرۃً یہ نکلی کہ ان ماؤں کے ساتھ امت کے کسی فرد کا نکاح ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار پا گیا۔

وَلَا أَنْ تَنْكِحُوْا أَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ أَبَدًا (الاحزاب ع)

مسلمانو تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔

یہ بیبیاں عام عورتوں سے ایک ممتاز و بلند حیثیت رکھتی تھیں۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ (الاحزاب ع ٤)

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کئے ہو۔

ان بی بی صاحبوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو امت کو ہدایت تھی کہ پردہ کے باہر سے مانگا کریں۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (الاحزاب ع۷)

اور جب تم ان بیبیوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کی آڑ سے مانگو۔

پیغمبر کے گھر میں بے محابا بلا اجازت چلے آنا جائز نہ تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ.
(الاحزاب ع۷)

اے مومنو! پیغمبر کے گھروں میں نہ داخل ہو جایا کرو سوا اس کے کہ تمہیں اس کی اجازت دے دی جائے۔

یہ بھی امت کو ہدایت ہوئی کہ پیغمبر کے ہاں اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو کھانے سے فراغت کے بعد بس اٹھ کھڑے ہو کرو یہ نہ ہو کہ پیغمبر کے اوقات کا لحاظ کئے بغیر بے فکری سے باتوں میں لگ گئے۔

فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ. (الاحزاب ع۷)

پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔

رسول اللہ ﷺ پر مروت وحیا اس درجہ غالب تھی کہ خود اپنے کفش برداروں سے اتنی بات بھی برملا درست نہیں فرما سکتے تھے اور قرآن مجید کو یہ ہدایت دینا پڑی۔

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ. (الاحزاب ع۷)

اس بات سے پیغمبر کو ناگواری ہوتی ہے، لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا۔

اور آپ ﷺ کے ذمہ قرآن مجید کی محض تبلیغ وتعلیم ہی نہ تھی، بلکہ اس کی تبیین بھی تھی یعنی اس کے مخفی کو جلی کرنا اس کے مشکلات کو کھولنا اور واضح کرنا ارشاد ہوا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ. (النحل ع۶)

اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں، آپ ان کی شرح ان پر کردیں تاکہ وہ سوچتے رہیں۔

اور پھر اسی سورت میں ذرا آگے چل کر ہے۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ. (النحل ع۸)

اور ہم نے تو یہ کتاب آپ پر بس اس لئے نازل کی ہے کہ آپ ان لوگوں پر وہ کھول کر ظاہر کر دیں جس بارہ میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور ایمان والوں کی ہدایت رحمت کی غرض سے۔

غرض یہ کہ مبلغ قرآن ومعلم قرآن ہی کی طرح آپ کا شارح قرآن ہونا بھی قرآن مجید ہی سے ثابت وظاہر ہے۔ اور جس طرح باب کا آغاز آپ ﷺ کے وصف بشریت سے ہوا تھا۔ اسی طرح باب کا خاتمہ بھی آپ کی رسالت کے اس خاص الخاص وصف کے اثبات پر ہو رہا ہے اور جب کسی نبی کے لیے قرآن نے کھل کر کہہ دیا کہ یہ لوگوں کی پیروی کے لیے ایک اسوۂ حسنہ یا ایک بہترین نمونہ ہے تو اس کے معنی ہی یہ ہوئے کہ وہ بہترین صفات وکمالات کا مجموعہ ہے کہ بغیر اس جامعیت کمالات کے وہ نمونہ کا کام دے کیوں کر سکتا ہے اور اوصاف وکمالات کی تھوڑی بہت تشریح وتفصیل جو آپ کے سامنے آیات قرآنی سے ہو چکی، یقین ہے کہ اس کے بعد آپ کا دل خود بول اٹھے گا کہ بے شک وہی ذات مستحق تھی اس کی کہ خلق کے سامنے خالق کی طرف سے اس کی کاریگری کے شاہکار کی حیثیت سے پیش ہو۔

فضائل و مناقب کا مرقع آپ ملاحظہ کر چکے اور ابھی رسول ﷺ کی جلالت قدر کے جلوے نظر سے گزرتے رہیں گے۔ لیکن قرآن مجید جیسی جامع مانع اور کل مکتفی کتاب کو دوسرے سرے کی طرف سے بھی پوری احتیاط رکھنی لازمی تھی۔ پیمبروں اور ہادیوں کی شخصیتوں پر دنیا کی تاریخ میں برابر یہ ظلم عظیم ہوتا رہا ہے کہ جہاں ایک طرف منکروں اور معاندوں نے ان کے کمالات کی طرف سے یکسر اپنی آنکھیں بند کرلیں اور تکذیب و انکار کو اپنا شعار بنا لیا وہیں دوسری طرف ماننے والوں نے بھی عقیدت میں وہ غلو کیا کہ ایلچی کو بادشاہی اور بندہ کو خدائی ہی کے تخت پر بٹھا کر دم لیا۔ بندہ کو بندہ رہنے ہی نہ دیا اور حلول، اتحاد تبنیت ابنیت عینیت وغیرہ طرح طرح کے عقیدے گڑھ کے رسالت کے ڈانڈے الوہیت سے جا ملائے۔ حضرت عیسیٰ کی مثال تو کھلی ہوئی موجود ہی ہے، ہندوستان کے جن بزرگوں کو اوتار کہہ کر مانا جاتا ہے عجب نہیں کہ ان کی بھی اصلی اور ابتدائی حیثیت پیمبری ہی ہو۔

قرآن مجید نے اس شدید گمراہی بلکہ کہنا چاہیے کہ گمراہیوں کی جڑ سے مسلمانوں کو بچانے کے بالواسطہ اور براہ راست دونوں طریقے پرزور صورت میں اختیار کیے۔ پہلے طریق بالواسطہ پر لیجیے۔ قرآن مجید نے پہلے اس سلسلہ میں یہ اصل قائم کی کہ آپ ﷺ بھی اسی طرح ایک رسول ہیں۔ جیسے آپ کے قبل ہو چکے ہیں۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ (النساء ع ٢٣)

ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف بھی بے شک (اسی طرح) وحی بھیجی ہے جیسی نوح اور ان کے بعد (دوسرے) نبیوں پر بھیجی تھی۔

اور خود آپ کی زبان سے یہ کہلا دیا گیا۔

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔ (الأحقاف ع ١)

آپ کہہ دیجئے کہ میں پیمبروں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں۔

اور یہ بھی تصریح کے ساتھ ارشاد ہو گیا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (آل عمران ع ١٥)

محمد ﷺ تو بس ایک پیمبر ہی ہیں، بے شک ان سے پہلے بھی پیمبر ہو چکے ہیں۔

اور اس اصل کے مقرر اور متعین ہو جانے کے بعد یہ حقیقت بھی ارشاد ہو گئی کہ سارے رسول ﷺ انسان ہی ہوئے ہیں۔ بشر ہوئے ہیں فوق البشر نہیں۔ نہ دیوتا، نہ اوتار، نہ ابن اللہ، بس کچھ اور فقط وحی الٰہی سے سرفراز بشر!

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ (یوسف ع ١٢)

(اے پیمبر) ہم نے آپ سے پہلے جو پیمبر بھیجے وہ بستیوں کے رہنے والے بس آدمی ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

اسی حقیقت کا اعادہ سورہ نحل ع ٦ میں ہے اور یہی مضمون سورۂ انبیاء ع ١ میں ایک بار پھر برائے نام لفظی فرق کے ساتھ ارشاد ہوا ہے گویا خوب وضاحت اور تکرار کے ساتھ یہ ارشاد ہو گیا کہ نبوت بشریت کے ماورا اور اس سے مافوق کوئی چیز نہیں۔

یہ طریقہ تو بواسطہ آپ کو بشر قرار دینے کا تھا۔ لیکن قرآن نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ براہ راست آپ کی بشریت کا اثبات اور وہ بھی بہ تکرار کیا ہے، ایک جگہ آپ ہی کی زبان سے کہلایا ہے۔

هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا۔ (بنی اسرائیل ع ١٠)

میں بجز اس کے بشر ہوں پیمبر ہوں اور کیا ہوں۔

شرک اور مشرکانہ عقائد میں ڈوبے ہوئے منکرین بار بار پیمبروں سے انکار و استعجاب کے لہجہ میں کہتے تھے۔

أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا۔ (بنی اسرائیل ع ١١)

کیا خدا نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

یا یہ کہ

أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا (التغابن ع ١)

کیا ہماری ہدایت ایک بشر کرے گا۔

یا کبھی اپنے پیمبر ہی کو براہ راست مخاطب کر کے کہتے۔

مَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الشعراء ع ٨)

تم اور کیا ہو بجز اس کے ہم ہی جیسے ایک بشر ہو۔

اس طرح کے فقرے قرآن مجید نے ان مکذب قوموں کی زبان سے بار بار نقل کیے ہیں اور اس کے جواب میں ان کے پیمبروں کی زبان سے اس واقعیت کو بڑی خندہ جبینی سے تسلیم کرا لیا ہے۔

إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (ابراهیم ع ٢)

بے شک ہم تو بس بشر ہی ہیں تم جیسے۔

اور اتنے ہی پر بس نہیں کیا، بلکہ اس کی بھی تصریح بار بار کرا دی کہ پیمبروں کا جسم بھی عام انسانوں کی طرح مادی جسم ہوتا ہے اور انہیں احتیاج بھی کھانے پینے کی رہتی ہے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (الانبیاء ع ١)

اور ہم نے انہیں جسم بھی ایسا نہیں دیا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔

اور خود ہمارے رسول سے متعلق تو مشرکین مکہ کا یہ مستقل طنز تھا کہ یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ۔ (الفرقان ع ۲)

بولے کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ وہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

جواب میں آپ کی بشریت کی واقعیت کو تسلیم کر کے ارشاد ہوا کہ اس میں نئی بات کیا ہے۔ جتنے پیغمبر پیشتر آ چکے ہیں سب یہی جسم اور یہی حیا جیسے لے کر آئے تھے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ۔ (الفرقان ع ۲)

اور ہم نے آپ سے پیشتر جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

اور یہی نہیں کہ پیغمبران برحق کھانے پینے چلنے پھرنے کی بشری ضرورتوں سے بے نیاز نہ تھے بلکہ بیوی بچے شادی بیاہ اور خاندان کے معاملے میں بھی ترکِ وتجل اور رہبانیت کے قائل اور عامل نہ تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ (الرعد ع ۶)

(اے پیغمبر) بے شک ہم نے آپ سے پیشتر پیغمبر بھی بھیجے ہیں اور انہیں بیبیاں اور اولادیں بھی دی ہیں۔

اور پیغمبروں میں تو اتنی قوت بھی نہیں ہوتی کہ خود اپنی طرف سے کوئی معجزہ دکھا سکیں یا کوئی امر بہ طور خارقِ عادت پیش کر سکیں۔

وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (ابراهيم ع ۲)

اور ہمارے بس میں تو یہ نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی دلیل لاسکیں بجز اس کے کہ اللہ کے حکم سے۔

معبودیت کی بڑی پہچان اور خلاقیت کی بالکل ضد دوامِ زیست یا ابدیت ہے، اس وصف کی کامل نفی پیغمبروں سے قرآن نے کی ہے۔

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (الانبياء ع ۱)

وہ ہمیشہ رہنے والے نہ تھے۔

اس قسم کی آیتوں میں تو ہمارے رسول ﷺ کا، کرسرف صم واعظم لایا ہے باقی دوسری آیتوں میں آپ ﷺ کی وفات یا فنا پذیری کا ذکر صراحۃً ہے۔ مثلاً۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ع ۱۵)

محمد ﷺ تو بس ایک پیغمبر ہی ہیں، پیغمبران سے پہلے بھی (بہت سے) گزر چکے ہیں، تو اگر یہ وفات پا جائیں یا ہلاک کر ڈالے جائیں تو کیا تم پچھلے پیروں واپس چلے جاؤ گے۔

اور کہیں اس قسم کے الفاظ ہیں۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۔ (الرعد ع ۶)

اور جس عذاب کا وعدہ ہم (کافروں) سے کر رہے ہیں، اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہے اور حساب لینا ہمارا ہی کام ہے۔

اور کہیں اس سے ملتے جلتے الفاظ یوں آئے ہیں۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ (یونس ع ۵)

اور جس عذاب کا وعدہ ہم ان (کافروں) سے کر رہے ہیں، اگر اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں تو ہمارے پاس تو انہیں واپس آنا ہی ہے۔

اور یہ مضمون انہیں آیتوں میں نہیں اور بھی متعدد آیتوں میں آیا ہے اور اس تکرار سے

مقصود مخاطبین کو رسول اللہ ﷺ کی بشریت اور وفات پذیری سے خوب مانوس کر دینا ہے اور ایک جگہ تو تنبیہ ہے کہ اس خاص وصف کے لحاظ سے رسول مقبول اور کفار معاندین کو بالکل یک ہی صف میں رکھ دیا گیا ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (الزمر ع ۳)

آپ بھی موت پانے والے ہیں اور یہ لوگ بھی موت پانے والے ہیں۔

عبدیت، قرآن نے بتایا کہ حضرات انبیاء کے لیے کوئی ننگ و عار کی چیز نہیں، فخر و مباہات کی بات ہے حضرت مسیح کا نام لے کر ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ۔ (النساء ع ۲۴)

مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

رسول برحق صلعم کی زبان سے یہاں تک کہلا دیا گیا کہ اور تو اور میں اور اپنی ذات کو بھی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ (یونس ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات تک کے لئے تو نقصان و نفع کا اختیار رکھتا نہیں ہوں مگر ہاں جتنا اللہ کو منظور ہو۔

اور یہی مضمون ایک برائے نام لفظی فرق کے ساتھ سورۂ اعراف میں ۲۳ میں دہرایا ہے۔

مشرکانہ مذہبوں کا ذکر نہیں، مسیحیت تو اصلاً ایک توحیدی دین ہے اس تک میں شفیع مطلق حضرت مسیحؑ کو ٹھہرایا گیا ہے، بلکہ روز جزا کے گویا حاکم و مالک ہی وہی ہوں گے۔ اور جس کو چاہیں گے اپنے اختیار سے جنت دلوا دیں گے قرآن مجید نے اس کے برعکس رسول اسلام ﷺ کی زبان سے یہاں تک کہلایا ہے۔

وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ (الاحقاف ع ۱)

اور میں بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اور تمہارے ساتھ کیا۔

اور خیر یہاں تو معاملہ حشر کے علم کی نفی رسول ﷺ کی زبان سے کرائی گئی۔

دوسری جگہ علم غیب کی نفی کہنا چاہیے کہ مطلق صورت میں ہے۔

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

اگر میں غیب کا علم رکھتا ہوتا تو اپنے لئے بہت سے نفع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت میرے اوپر واقع نہ ہوتی، میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

رسول ﷺ کی بشریت ایک لطیف و نادر طریقہ سے بھی قرآن مجید نے ظاہر کر دی ہے یعنی اہتمام کے ساتھ حضور کے مادی اجزائے جسم، اعضاء اور شکل و شمائل کے اہم جزئیات کا بھی ذکر اپنے صفحات میں کر دیا ہے اور اس طرح کہنا چاہیے کہ سراپائے مبارک کا ایک خاکہ قرآن مجید کی مدد سے تیار ہو جاتا ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ (الدخان ع ۳)

ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان سے آسان ہی کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔

زبان مبارک کا تذکرہ ایک دوسرے موقع پر بھی موجود ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ۔ (القیامۃ ع ۱)

اے پیغمبر آپ قرآن پر زبان نہ ہلایا کیجئے کہ آپ اسے جلدی جلدی لیں۔

زبان کے وجود کا اثبات اور وہ بھی دو دو جگہ، خواہ مخواہ اور بلا مقصد نہیں اس سے جہاں ایک طرف حضور کے جسد ظاہری کا اکرام ظاہر ہوتا ہے وہاں مخاطبین کو یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ اس عبد مکرم کا جسد و قالب گوشت و پوست کے نہیں لوازمہ کے ساتھ تھا، جو نوع بشری کے لئے عام ہیں۔ زبان کے ساتھ دل کا ذکر بھی آیا ہے قلب اور فواد دونوں لفظوں کے ساتھ دو

جگہ، چنانچہ پہلی جگہ۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ (البقرع ۱۲)

آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبرئیل سے دشمنی رکھتا ہے تو انہیں نے تو یہ قرآن آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔

دوسری بار ایک اور سورۃ میں۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (الشعرد ع ۱۱)

اس قرآن کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

لفظ فواد کے ساتھ بہ سلسلہ معراج آیا ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى۔ (النجم ع ۱)

قلب (پیغمبر) نے دیکھنے والی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی۔

چشمان مبارک کے ذکر جمیل سے بھی یہ صحیفہ ربانی خالی نہیں۔

حضور ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر ع ۶)

اور آپ ہرگز آنکھیں اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھئے جن سے ہم نے ان (نافرمانوں) کے مختلف گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے۔

چشم مبارک کی بصارت کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ (النجم ع ۱)

نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔

روئے مبارک کا تذکرہ تو شاید اور زیادہ ضروری تھا، اس سے یہ کتاب آسمانی کیسے خالی رہتی حکم تحویل قبلہ کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ

ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے تھے۔

اور پھر اسی آیت کے اندر انہیں الفاظ سے متصل۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

بس آپ پھیر لیا کیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف۔

اور پھر چند سطروں بعد انہی الفاظ کی تکرار دوسری تیسری بار اور روئے مبارک کو دین کی طرف یکسو رکھنے کا حکم سورۂ روم میں دو بار قریب ہی قریب ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ۔ (الروم ع ۵)

سو آپ اپنا رخ اس دین راست کی طرف رکھیے۔

اور ایک جگہ حجت کی صورت میں آپ سے خطاب ہو رہا ہے کہ۔

فَإِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ۔ (آل عمران ع ۲)

اگر یہ (مشرکین) پھر بھی آپ سے حجتیں نکالتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنا رخ (خاص) اللہ کی طرف کر ہی چکا۔

ایک اور جگہ زبان مبارک سے یہ کہلایا گیا ہے کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ۔

وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا۔

اپنا رخ دین کی طرف یکسو ہو کر رکھنا۔

چشم مبارک کے علاوہ گوش مبارک کا بھی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، اگر صراحتاً نہیں تو دلالۃً تو بہرحال، منافقین مدینہ کا قول نقل ہوا ہے۔

يَقُوْلُوْنَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ۔ (التوبہ ع ۸)

یہ کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سنتے ہیں کہہ دیجئے کہ آپ کان دے کر وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

اب سینہ مبارک کی طرف آیئے اور اس کا عکس اس آئینہ آسمانی میں ملاحظہ فرمایئے۔

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الانشراح)

کیا آپ کا سینہ ہم نے آپ کے لئے کھول نہیں دیا ہے۔

اور پشت مبارک کے ذکر کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں اسی کے متصل موجود ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ

اور آپ سے آپ کا وہ بوجھ دور کر دیا جو آپ کی پشت کو توڑے ڈالتا تھا۔

اور ان اعضائے جسد کے علاوہ قرآن معرض بیان میں حضور ﷺ کے بعض اعمال و حرکات جسمانی کو بھی دیا ہے، مثلاً حضور ﷺ کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا اور نماز اور عام عبادتیں، مثلاً۔

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (الشعراء ع۱۱)

وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور آپ کی نشست برخاست نمازیوں کے ساتھ۔

یا منکرین مشرکین کی زبان سے۔

مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان ع۱)

ان رسول کو یہ ہے کیا یہ کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی ہیں۔

یا پھر اس قسم کی آیتیں۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الاعراف ع۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں۔

حیات اور ممات دونوں کا ذکر اس آیت میں آگیا ایک جگہ مشرکین کو مخاطب کر کے عمر شریف کا بھی حوالہ آپ ہی کی زبان مبارک سے دیا گیا ہے۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ (یونس ع۲)

میں اس (دعوی نبوت) سے قبل بھی تو ایک عمر تک تمہارے درمیان رہ چکا ہوں۔

اسی طرح ایک جگہ اور قوم لوط کی سرمستی کو آپ ﷺ کی عمر یا جان کی قسم کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ

آپ کی جان کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

حضور کا مولد جیسا کہ آپ پہلے سن آئے ہیں، ابراہیمی شہر مکہ یا بکہ تھا، جس کے صفاتی نام مثلاً

أُمُّ الْقُرَىٰ، الْبَلَدُ الْأَمِينُ، الْبَلَدُ الْحَرَامُ۔

بھی قرآن مجید میں آچکے ہیں جب یہاں آپ کے پیرووں پر سختی حد سے گزر چکی اور اذیت ناقابل برداشت حد کو پہنچ گئی تو آپ کو حکم اس شہر سے ہجرت کر جانے کا ملا، ہجرت محض ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقلی کا نام نہیں اصطلاح شریعت میں اس ترک سکونت، اس نقل مکانی کو کہتے ہیں، جو دین کے تحفظ کی خاطر یا احکام الٰہی کی تعمیل میں اختیار کیا جائے۔

مظلوم طبقہ جس میں کیا مرد کیا عورتیں، اور کیا بچے سب ہی شامل تھے اس کی زبان پر فریاد مدت سے جاری تھی۔

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (النساء ع۱۰)

اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی اور بچے بھی، جو دعا کر رہے ہیں، اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں۔

بس یہ تھی ان کی حالت اور رسول ﷺ کی دعوت یا مشن کے ساتھ تمسخر تو اس کی عام عادت بن گئی تھی۔ دعوت کو قبول کرنا تو کجا، وہ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کے بھی روادار نہ تھے۔

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا (الانبیاء ع ۱۲)

جب آپ کو یہ کافر (یعنی مشرکین مکہ) دیکھتے ہیں تو بس آپ سے مسخرہ پن کرنے لگتے ہیں۔

اور اپنے خیال میں ہنسی اڑاتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ

أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ (الانبیاء ع ۱۲)

کیا یہی وہ حضرت ہیں جو تمہارے معبودوں کی بدگوئی کرتے ہیں اور (خود ان کا یہ حال ہے کہ) رحمٰن کے ذکر پر یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

اور یہی مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک دوسری جگہ بھی قرآن میں نقل ہوا ہے۔

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا۔ (الفرقان ع ۴)

اور جب یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) آپ کو دیکھتے ہیں تو بس تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ حضرت ہیں جنہیں اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

گویا دعوائے نبوت ان لوگوں کے نزدیک سرے سے ناقابل قبول بلکہ ناقابل التفات تھا اور بڑا حربہ ان لوگوں کے ہاتھ میں یہی تمسخر واستہزاء کا تھا، ہر طرح آپ کی ہنسی اڑاتے اور آپ کی تعلیم کو سحر ونتیجہ سحر بتلاتے، چنانچہ رسول ﷺ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (والصافات ع ۱)

آپ تو تعجب کرتے ہیں اور وہ ہنسی اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت نہیں سنتے اور جب کوئی سی نشانی دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور بس۔

آخر تجویزیں آپ کو قید میں ڈال دینے کی ہونے لگیں، مشورے آپ کی جلاوطنی کے شروع ہوگئے اور منصوبے آپ کے قتل کے ہونے لگے۔ سیرۃ کی کتابوں میں یہ واقعات تفصیل سے آئے ہیں، قرآن مجید نے ایسی جامعیت کے ساتھ یہ بتادیا کہ

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ

(الانفال ع ۴)

اور جب یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) آپ کی نسبت یہ سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کردیں یا آپ کو قتل کرڈالیں یا آپ کو جلاوطن کردیں۔

یہ چالیں بڑی گہری اور یہ تدبیریں بڑی زہریلی تھیں۔ یہی کہ ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو خود اپنی حکمت وتدبیر کا ذکر کرنا پڑا۔

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ۔ (الانفال ع ۴)

وہ اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا۔

آپ کے مخلص پیرو اور رفیق اپنے کو عددی اقلیت اور ہر طرح کے معاشی ضعف اور ماندگی میں پارہے تھے اور پناہ کی تلاش میں رہتے تھے قرآن مجید نے اس دور کے ختم ہوجانے پر اس کا جو ذکر کیا ہے، اس سے اس پر پوری روشنی پڑ گئی۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ۔ (الانفال ع ۳)

اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے اور ملک میں کمزور شمار کیے جاتے تھے اور اس اندیشہ میں کمزور شمار کیے جاتے تھے اور اس اندیشہ میں رہا کرتے تھے کہ تم کو یہ لوگ (یعنی مشرکین مکہ) نوچ کھسوٹ نہ لیں، پھر اللہ نے تمہیں جگہ دی۔

قرآن مجید ذکر کرتا ہے کہ جب مظلوموں کو حکم ہجرت کا ملا اور ان میں سے بعض پھر بھی

اپنی جگہ سے نہ ہٹے تو نزع کے وقت ان سے اور ملائکہ سے مکالمہ اس قسم کا ہوگا۔

قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ قَالُوْا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا. (النساء ع ١٤)

وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں محض مغلوب (اور بے بس) تھے فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے؟

اور یہ حکم ہجرت عین رحمت تھی یہ مظلوم بیچارے تو خود ہی دعائیں مانگنے لگے تھے کہ ظلم وستم کے اس ماحول سے کہیں نجات حاصل ہو، جیسا کہ ابھی چند منٹ قبل سورۃ النساء رکوع ۱۰ کے حوالے سے آپ سن چکے ہیں۔

ایک جگہ انہیں مظلوم مسلمانوں کی مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ

یہ لوگ رسول کو اور تم کو (بھی) نکال رہے ہیں (وطن سے) اس بات پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان رکھتے ہو ایک جگہ اور انہیں مظلوم مسلمانوں کا ذکر کر کے ارشاد ہوا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ. (آل عمران ع ٢٠)

سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو لوگ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جنہیں میری راہ میں تکلیفیں پہنچائی گئیں۔

یہ لفظ اوذوا فی سبیلی، (میری راہ میں تکلیفیں پہنچائی گئیں) ہر قسم کی اذیتوں کا جامع ہے سیرۃ کی کتابوں میں بعض بعض اذیتیں ایسی درج ہیں کہ انہیں پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس لفظ اوذو کے بجائے قرآن میں کہیں کہیں دوسرے لفظ مافتنوا ماظلموا بھی آئے ہیں، سب اسی حقیقت کے ترجمان ہیں، مکہ میں مومنین پر ان کے سردار و پیشوا سمیت زندگی تنگ کر دی گئی تھی۔

بالآخر ختم وطن ملا، مظلومیت اور بے سروسامانی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اتنے لمبے سفر میں مسلسل رفیق آپ ﷺ صرف ایک صاحب ہو سکے، سفر اخفاء کے ساتھ ہوا اور کہیں کسی پہاڑی غار میں چھپنا پڑا ان تجربہ رفیق سفر کا بھی، مگر قرآن مجید نے اسی سفر ہجرت کے سلسلے میں کیا ہے۔

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (التوبہ ع ٦)

جبکہ آپ کو کافروں نے (وطن سے) نکال دیا تھا ان دو میں سے ایک آپ تھے جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے۔

آپ ﷺ کا سکون قلب اور اعتماد علی اللہ اس حال میں بھی برابر قائم رہا۔ قرآن کی شہادت ہے۔

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ ع ٦)

جب کہ آپ ﷺ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ غم نہ کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

شہر مدینہ، مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں ۲۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور سطح سمندر سے دو ہزار فٹ کی بلندی پر اونٹ کی سواری پر یہ فاصلہ یوں بھی خاصہ طویل تھا، پھر جب کہ سفر کو مخفی رکھنے کی غرض سے آپ ﷺ نے راستہ اور زیادہ پیچیدہ وطویل اختیار کیا تھا، سفر ہجرت کی ساری سرگزشت اگر ایک طرف توکل واعتماد علی اللہ وغیرہ آپ ﷺ کی خلاقی صفات کی ترجمان ہے تو دوسری طرف قابلیت تنظیم اور خوش تدبیری وغیرہ اعلیٰ صفات عقلی کی بھی شاہد عادل ہے۔

مدینہ پہنچ کر بھی دشواریوں اور شدید مخالفتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا صرف ان کا رخ یا پہلو ذرا بدل گیا ایک نیا سابقہ منافقین کے زبردست و صاحب اثر گروہ سے پڑا یہ زبان پر دعویٰ اسلام کا رکھتے تھے، لیکن دل سے منکر تھے اور محض منکر ہی نہیں، معاند بھی تھے اور دوسرے

دشمنانہ سیاسی سازشوں میں شریک۔ ان میں زیادہ تر تو مشرکین مدینہ تھے اور یہود بھی ان کا اصل تذکرہ کسی مستقل عنوان کے ماتحت آپ آگے چل کر پڑھیں گے یہاں سلسلہ بیان میں صرف اتنا سن لینا کافی ہوگا کہ ان کی چالبازیوں کی بات قرآن مجید نے بار بار دہرائی ہے اور یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا انہیں کے لیے فرمایا ہے یعنی یہ دھوکا دینا چاہتے ہیں یا دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں، اللہ اور مومنوں کو۔

دوسرا نیا سابقہ یہاں آکر آپ کو اہل کتاب سے پڑا خصوصاً یہود سے اور ان سے طرح طرح کے مناقشے رہے یہ سرگزشت بھی آگے چل کر آپ سنئے گا۔

تیسری نئی بات یہ پیش آئی کہ آپ کو غزوے یعنی محاربے ایک نہیں متعدد کرنے پڑے زیادہ تر تو مشرکین مکہ اور دوسرے عرب قبائل کے خلاف اور کبھی کبھی قبائل یہود کے مقابلہ میں بھی اس کی تفصیل بھی ایک آئندہ صحبت کے لیے اٹھا رکھئے۔

اور چوتھی بات جو اس صورت حال سے بطور نتیجہ کے پیدا ہوئی یہ ہے کہ آزادی وخود مختاری مل جانے سے آپ ﷺ کو مدینہ میں حکومت وسلطنت کی بنیاد ڈالنے، اس کے لیے قانون وآئین منضبط کرنے اور طرح طرح کے احکام جاری کرنے کی ضرورت بھی آپڑی۔ یہ احکام کچھ تو بذریعہ وحی نازل ہوتے رہے اور قرآن مجید میں جگہ پاتے رہے اور کچھ رسول نے اپنے اجتہاد سے یا قرآن مجید سے استنباط کرکے صادر فرمائے۔

منافقین مدینہ کی شدت نفاق کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ (التوبہ ع۱۳)

مدینہ والوں میں ایسے بھی ہیں، جو نفاق پر اڑ گئے ہیں۔

ان پختہ منافقین کے علاوہ اور بھی کچھ آبادی مدینہ والوں کی ایسی تھی جو ایمان کے باب میں دودلی سی ہو رہی تھی، یہ کچھ اور متذبذب ایمان والے بھی منافقوں کے شریک ہوکر طرح طرح کی افواہیں شہر میں مسلمانوں کو ڈرانے سہمانے کے لیے اڑاتے رہتے تھے اور گویا آج

کل کی اصطلاح میں ایک سرد جنگ حزب محمدی کے خلاف جاری کئے ہوئے تھے قرآن مجید میں منافقوں پر عطف کرکے ان کا ذکر بھی آیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ (الاحزاب ع۸)

اور منافقوں کو شر ماشری جنگ میں بھی مسلمانوں میں شامل ہوکر نکلنا پڑتا بھی تو کہتے۔

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون ع۱)

ہم اگر مدینہ واپس آئے، تو ہم میں سے جو گروہ زبردست ہے وہ زبردستوں کو یقیناً نکال باہر کرے گا۔

اور زبردست وغالب فریق سے اشارہ ظاہری ہے کہ ان کا اپنی ہی طرف ہوتا اور زیردستوں اور مغلوبوں سے مسلمانوں کے جانب۔

اسی طرح ایک بار ایک جنگ کے موقع پر عین میدان جنگ سے ان منافقین نے دوسروں کو بھڑکا کر واپس لے جانا چاہا تھا، قرآن مجید میں ذکر اس کا بھی موجود ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰٓاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا (الاحزاب ع۲)

اور وہ وقت یاد کرو، جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا تھا، اے یثرب والو! ٹھہرنے کا موقع نہیں واپس چلے جاؤ۔

مدینہ کا قدیم نام یثرب تھا اور عموماً یہود کا مسکن تھا، مدینۃ النبی یہ ہجرت نبوی کے بعد ہوا، اور پھر صرف المدینہ رہ گیا۔

اس شہر سے ہٹ کر، بجز عارضی جنگی ضرورتوں یا حج وغیرہ کے کہیں اور آپ ﷺ کے تشریف لے جانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اور نہ سیرۃ وتاریخ ہی میں آتا ہے یہیں قیام آخر عمر تک رہا، وفات شریف یہیں ہوئی اور یہیں مدفن ہے۔

حد ہو گئی تو ان مردانِ خدا کو ملا کہ اب تم بھی اس ظلم کے خلاف تلوار اٹھاؤ اور جو ظلم و زیادتی کر رہے ہیں ان کا مقابلہ مردانہ وار تم بھی کرو۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ۔ (الحج ع٦)

جن لوگوں کے خلاف قتال کیا جا رہا ہے، اب انہیں بھی اذن (قتال) ملتا ہے، اس لئے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ بے شک ان کی مدد پر قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے بغیر کسی قصور کے سوا اس کے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

تو قتال کی اجازت مومنین کو جبھی ملی۔ جب ان کی مظلومیت کمال کو پہنچ چکی تھی، اہل تفسیر کہتے ہیں کہ یہی سب سے پہلی آیت ہے جو اجازت قتال کے بارے میں نازل ہوئی ایک اور قول نقل ہوا ہے کہ پہلی آیت قتال کی یہ نہیں بلکہ یہ ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

قتال کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے قتال کرتے ہیں اور زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بہرحال سلسلہ قتال کی پہلی آیت وہ ہو یا یہ ظاہر ہے کہ حکم قتال مومنین کو جب ہی ملا، جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا، زمانہ قیام مکہ میں مشرکین مکہ نے آپ کے ساتھ جو گستاخیاں کیں اس سے تو آپ لوگ واقف ہو ہی چکے ہیں، حد یہ ہے کہ ترک وطن کے بعد بھی عناد دلوں سے نہ گیا اور اتنے دور بلکہ اس وقت کے معیار سے دور دراز شہر میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی معاندانہ کارروائیاں برابر جاری رہیں، غرض یہ کہ حکم قتال کی تعمیل میں آپ ﷺ نے خود بھی قتال شروع کیا اور اسی کا نام اصطلاح فقہ میں جہاد پڑ گیا ورنہ محض جنگ

کے لیے اب تک لفظ حرب عام تھا رسول اللہ ﷺ کی ان ربانی مہموں کے لیے محدثین و فقہاء کے ہاں اصطلاح غزوات کی رائج ہے حضور ﷺ نے غزوات متعدد فرمائے، محدثین و اہل سیر کے ہاں ان کی تعداد ۱۹ یا ۲۱ درج ہے آیئے ان میں سے اہم ترین پر قرآن مجید کی روشنی میں نظر کرتے چلیں۔

غزوۂ بدر:

پہلا بڑا غزوہ، غزوہ بدر کہلاتا ہے، اس مناسبت سے کہ یہ مقام بدر پر واقعہ ہوا تھا بدر ایک سرسبز منڈی اور منزل کا نام تھا، جو مدینہ کے جنوب مغرب میں وہاں سے تین یا چار منزل کے فاصلہ پر تھی۔ قرآن مجید میں اس غزوہ کا بیان آیا ہے، اشارۃً کنایۃً نہیں بلکہ تصریح سے اور اس تفصیل کے ساتھ جس کا یہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے مستحق بھی تھا ختم غزوہ کے ایک عرصہ بعد ایک دوسرے موقعہ پر اس کا تذکرہ نہ صرف نام کی صراحت کے ساتھ، بلکہ محل امتنان پر بھی لایا گیا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (آل عمران ع۳)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد بدر میں کی، درآنحالیکہ تم بہت کمزور تھے، پس اللہ سے تقویٰ اختیار کرو شاید کہ شکر گزار رہنے لگو۔

لشکر اسلام کی اس "کمزوری" کی تفصیل و تشریح حدیث و سیرۃ کی کتابوں میں مذکور ہے مختصر یہ کہ مسلمان تعداد میں بھی بہت کم تھے اور سامان جنگ کے لحاظ سے بھی بہت پست تھے۔ اس لیے بہت سے مسلمان قدرۃً اس موقع پر جنگ سے بچنا چاہتے تھے لیکن اللہ اپنے فضل سے لشکریوں کے اس تذبذب کے باوجود سردار لشکر کو میدان جنگ میں لے آیا۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ۔ (الانفال ع۱)

جس طرح آپ کو پروردگار آپ کو (اے پیغمبر) حق کے ساتھ آپ کے گھر

سے (مدینہ سے) نکلا حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ (اس سے) ناخوش تھا۔
اپنے ضعف، قلت سامان غرض ہر مادی معیار سے ان لوگوں کا تامل ایک امر طبعی تھا اور یہ ایسے نامساوی معرکہ کو خودکشی کا مرادف سمجھ رہے تھے اور اسی لیے رسول اللہ سے بحث کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ۔ (الانفال ع ۱)

یہ لوگ آپ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے جھگڑتے ہیں گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں۔
آگے بڑھنے سے قبل بطور جملہ معترضہ کے یہ بھی سن لیجئے کہ یہی وہ اسلامی فوج ہے جس سے بعض مغربی اہل قلم کا یہ مستقل طنز ہے کہ یہ مال غنیمت اور لوٹ مار کے حریص مشرکوں پر خواہ مخواہ لوٹ پڑا کرتے تھے۔ قرآن مجید کی شہادت اس کے برعکس کتنی واضح صراحت یہ ہے کہ انہیں بعض اوقات کھینچ کر دھکیل کر میدان میں لڑنا پڑتا تھا!۔
بات پھر اصل قصہ کی۔ اس وقت مسلمانوں کو احتمال گزر رہے تھے ایک یہ ممکن ہے مڈ بھیڑ قریش کی فوج سے ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ مقابلہ کی نوبت صرف تجارتی قافلہ قریش سے رہے جو شام سے واپس ہو رہا تھا اور وعدۂ نصرت الٰہی کے باوجود مسلمان طبعی طور پر پسند اس آسان تر شق کو کر رہے تھے اور آرزو یہ رکھتے تھے کہ سامنا فوجی خطرہ کا نہ کرنا پڑے بلکہ محض کاروان تجارت سے نپٹ کر واپس چلے آئیں قرآن مجید کا پورا بیان سنیے۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ

الْمُجْرِمُوْنَ۔ (الانفال ع ۱)

اور اللہ جب تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے اور تم آرزو رکھتے تھے کہ وہی گروہ تم کو ملے جس میں کوئی خدشہ (تمہارے لیے) نہیں، حالانکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے، چاہے یہ مجرموں کو ناگوار ہی گزرے۔
لشکر اسلام اس وقت قریب قریب مضطرب اور بے قرار ہو رہا تھا، فریاد در ایگاہ خداوندی سن لی گئی اور دلوں میں اطمینان مزید پیدا کرنے کی غرض سے ارشاد بھی صاف ہو گیا کہ تمہاری امداد کو فرشتے بھی ایک ہزار بھیجے جا رہے ہیں، قرآن مجید نے اس اہم ترین غزوہ محمدی کی یہ تفصیل بھی محفوظ رکھی ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (الانفال ع ۱)

یاد کرو وہ وقت جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے، اس نے تمہاری سن لی اور (فرمایا کہ) میں تمہاری مدد ایک ہزار مسلسل آنے والے فرشتوں سے کروں گا، اور اللہ نے یہ صرف تمہارے خوش کرنے اور تمہارے دلوں کو اطمینان دینے کو کیا۔ ورنہ فتح تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔
اسی جنگ کے دوران میں یہ ہوا کہ حکمت خداوندی سے بارش عین وقت پر اور ایسے موقع سے ہوئی کہ نفع تمام تر مسلمانوں ہی کے فریق کو پہنچا، اور اس سے ان کے وضو غسل وغیرہ کی ضرورتیں سب پوری ہو گئیں اور یہ وسوسہ شیطانی ان کے دل سے دور ہو گیا، کہ

محفوظ نہیں ہم ہی تو نہیں۔ نیز انہیں نیند کی جھپک بھی آ گئی، جس سے وہ تازہ دم ہو گئے۔

دیکھئے قرآن مجید ان سارے جزئیات کو کس طرح اپنے اجمالِ بیان میں لئے ہوئے ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ۔ (الانفال ع ۲)

یاد کرو وہ وقت جب اللہ اپنی طرف سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا، تمہارے سکون کے لئے اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک صاف کر دے اور تم سے وسوسۂ شیطانی دور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کرے اور تم کو ثابت قدم رکھے۔

قرآن مجید کی ان آیتوں سے ضمناً اس کا اندازہ ہوگا کہ قرآن مجید کا اسلوبِ بیان مورخوں اور اہلِ سیر کے اندازِ تحریر سے کتنا مختلف ہوتا ہے جس قسم کے جزئیات و تفصیلات اہلِ روایت کے ہاں جان سخن کا حکم رکھتے ہیں کتاب اللہ انہیں عموماً نظر انداز کر جاتی ہے اور جو گہری حقیقتیں پے بہ پے بیان کرتی جاتی ہے ان کی طرف عموماً راویوں کا ذہن بھی نہیں جاتا۔ بہر حال اللہ کو اس مخلص جانبازوں اور ان کے سرور و سردار کی خاطر داری اس حد تک منظور ہے کہ جو فعل ظاہری طور پر سرزد ان سے ہوئے۔ انہیں منسوب اپنی جانب فرما دیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال ع ۳)

ان دشمنوں کو تم لوگوں نے نہیں مارا۔ بلکہ اللہ نے مارا اور آپ نے پتھر نہیں پھینکا جب پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

اور لشکرِ اسلام کو فتح چونکہ اس معرکہ میں نمایاں اور قطعی ہوئی۔ اس لیے مشرکوں کو خطاب کر کے صاف صاف ارشاد ہوا۔ اور وعید و تنبیہ بھی انہیں پوری کر دی گئی۔

وان تستفتحوا فقد جآءكم الفتح وان تنتهوا فهو خير لكم وان تعودوا نعد ولن تغني عنكم فئتكم شيئًا ولو كثرت وان الله مع المؤمنين۔ (الانفال ع ۲)

اور اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کرو گے، ہم بھی پھر وہی کریں گے، اور تمہارا مجمع تمہارے ذرا کام نہ آئے گا۔ خواہ (کیسا ہی) بڑا ہو، اور اللہ تو مومنوں کے ساتھ ہے۔

اس معرکۂ بدر میں فتح رسول کریم ﷺ کو ایسی کھلی ہوئی اور اسبابِ ظاہری کے مقتضٰی کے اتنے برعکس ہوئی کہ قرآن مجید نے اس کو علانیہ یوم الفرقان (فیصلہ کا دن) قرار دے دیا اور یہ مورخین کو بھی اقرار ہے کہ اگر اس دن یہ روز فتح نہیں نہ حاصل ہوگئی ہوتی۔ تو عرب کی اس دنیا کی تاریخ کا رخ ہی آج کچھ اور ہوتا ایک ضمنی موقع پر یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

ان كنتم آمنتم بالله وما انزلنا على عبدنا يوم الفرقان يوم التقى الجمعان۔ (الانفال ع ۵)

اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن نازل کی یعنی اس دن جب کہ دونوں فریق باہم مقابل ہوئے تھے۔

در و اور اس خاص معرکہ کے میدانِ جنگ کا نقشہ تک قرآن مجید نے ایک خاص زاویہ نظر سے پیش کر دیا۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے۔

واذ انتم بالعدوة الدنيا وهم بالعدوة القصوى والركب اسفل منكم۔ (الانفال ع ۵)

یہ وہ وقت تھا جب تم (میدان جنگ کے) قریبی کنارے پر تھے اور وہ (یعنی لشکرِ مشرکین) دور کے کنارے پر اور کاروانِ تجارت تم سے نشیب میں تھا۔

دور اور قریب، آیت میں شہر مدینہ کی سمت و اضافت سے ہے اور یہ اشارہ ہے ان

جغرافی حقیقتوں کی جانب کہ مدینہ سے شمال و مشرق کی طرف سے آئے تھے اور مسلمانوں کا لشکر جنوب و مغرب کی سمت سے آیا تھا۔ مدر کی زمین پہاڑی تھی اس لیے قدرۃً بلند اور قافلہ تجارت ساحل سمندر سے گزر رہا تھا۔ جو قدرۃً ایک نشیبی علاقہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے معرکہ جنگ سے قبل ایک رویا میں لشکر مخالف کو قلیل تعداد میں دیکھا تھا اور اسے صحابیوں سے بیان کیا تھا۔

واذ یریکهم اللہ فی منامک قلیلاً ولو اراکهم کثیراً لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکنّ اللہ سلّم۔ (الانفال ع۵)

(یاد کرو وہ وقت) جب اللہ نے آپ کے خواب میں وہ لوگ آپ کو کم دکھائے اور اگر اللہ وہ لوگ تم لوگوں کو زیادہ دکھا دیے ہوتے تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑا اس باب میں کرنے لگتے لیکن اللہ نے تم کو بچا لیا۔

خواب کی بات تو ختم ہوئی، بیداری میں یہ واقعہ پیش آیا کہ عین معرکہ قتال میں ہر فریق دوسرے سے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہا اور اندازہ اصل تعداد سے کم ہی کرتا رہا۔ اگر کہیں اس کے برعکس ہوتا تو عجب نہ تھا کہ کوئی ایک فریق یا دونوں فریق نبرد آزما ہونے کی ہمت ہی نہ کرتے اور اس طرح فیصلہ کی بات گول ہی رہ جاتی اسی نفسیاتی حقیقت پر قرآن مجید یوں روشنی ڈالتا ہے۔

واذا یریکموهم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلاً ویقللکم فی اعینهم لیقضی اللہ امراً کان مفعولاً۔ (الانفال ع۵)

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلایا اور ان کی نظروں میں تمہیں کم کر کے تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو مقرر ہو چکا تھا۔

سیرۃ کی کتابوں میں آپ نے قریش کے مشہور لیڈر ابو الحکم عمرو بن ہشام مخزومی معروف

بہ ابو جہل کی سرکشی و رعونت کا تذکرہ پڑھا ہوگا۔ قرآن مجید نے بھی لشکر قریش کی متکبرانہ ذہنیت کی طرف اشارہ تو کر ہی دیا ہے۔

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارهم بطراً ورئآء الناس ویصدون عن سبیل اللہ۔ (الانفال ع۶)

(اے مسلمانو) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو (جنگ کے لیے) اپنے گھروں سے نکلے تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہوئے۔

تاریخ کا بیان ہے کہ یہ غزوہ ۱۷ رمضان ۲ھ مطابق ۱۵ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا۔ غزوہ بدر کا تو ایسی صراحت اور ایسی تفصیلات کے ساتھ جو قرآن مجید میں آیا ہے اس کی توقع کسی اور غزوہ کے بارے سے متعلق تو نہ رکھیے، تاہم دوسرے اہم غزوات نبوی کے سلسلہ میں بھی کچھ خاص رہنمائی قرآن سے ہو جاتی ہے۔

ایک اور غزوہ کے ذکر کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

واذ غدوت من اهلك تبوئ المؤمنین مقاعد للقتال واللہ سمیعٌ علیمٌ۔ (آل عمران ع۱۳)

(اور وہ وقت بھی یاد کیجئے (اے پیغمبر) جب ایک صبح آپ اپنے گھر والوں (کے پاس) سے نکلے مسلمانوں کو قتال کے لیے مناسب مقامات پر لے جاتے ہوئے اور اللہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

اشارہ جنگ احد کا ہے۔ احد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ایک پہاڑی ہے ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر۔ قریش جیسی خوددار اور خودبین قوم کو بدر میں جو شکست فاش نصیب ہوئی تھی، یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ اس پر چپکے ہو کر بیٹھے رہتے اور اس کا انتقام نہ لیتے، ابوجہل کے قتل ہو جانے کے بعد اب ریاست مکہ کی خارجی و داخلی سیادت ابوسفیان صخر بن حرب اموی

نے ، تھے میں تھی ور ، سے موی ہونے کی بنا پر رسول ہاشمی سے خاندانی دشمنی بھی تھی رسول ﷺ
ب صبح حضرت عائشہ کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے ۔ اذغدوت من اھلك میں اشارہ اسی
جانب ہے ۔ مقاعد للقتال کا لفظ بھی قابل توجہ جس جنگ میں پوزیشن Position کی
اہمیت آج بھی مسلم ہے اور فن حرب (ملٹری سائنس) کی تازہ کتابوں میں بھی صفحہ صفحہ
اس کے لیے وقف رہتے ہیں ، چہ جائے کہ اس دور میں جب جنگ نامی وست بدست
جنگ کا تھا ، ضمناً اس سے روشنی اس حقیقت پر بھی پڑ گئی کہ حضور صلعم ایک بہترین سردار فوج
بھی تھے جیسا کہ حال میں ایک مسلم ملک کے ایک میجر جنرل نے اپنی کتاب حدیث دفاع
میں تفصیل سے دکھایا ہے ۔

اس سے آگے کی آیت بھی اہمیت میں کچھ کم نہیں ۔

اذھمت طآئفتٰن منکم ان تفشلا واللہ ولیّھما وعلی اللہ
فلیتوکّل المؤمنون ۔ (آل عمران ع ۲۳)

جب تم میں سے دو گروہ اس کا خیال کر بیٹھے تھے کہ ہمت ہار دیں درآنحالیکہ
اللہ ان دونوں کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو اللہ پر اعتماد رکھنا ہی چاہیے ۔

سیرت کی کتابوں میں ان دونوں گروہوں یا ٹکڑیوں کے نام درج ہیں ، ایک قبیلہ اوس سے
بنی حارثہ کا تھا اور دوسرا قبیلہ خزرج سے بنی مسلمہ کا ، انہیں یہ خیال اپنی قلت تعداد و قلت
سامان وغیرہ ضعف مادی کی بنا پر ہوا تھا اس لیے کہ تاریخ کا بیان ہے کہ مسلمانوں کا لشکر ایک
ہزار کی تعداد میں تھا اور اس میں سے منافق لیڈر ، عبد اللہ بن ابی سلول کے عین وقت پر نکل
جانے سے کل سات ہی سو رہ گیا تھا ۔ مشرکین مکہ کا لشکر ۳ ہزار تھا جس میں دو سو سوار تھے ،
غرض یہ کہ کسی ضعف ایمانی کا قدم درمیان میں نہ تھا اور پھر یہ خیال بھی وسوسہ ہی تک رہا ،
عزم کے درجہ تک نہ پہنچنے پایا جیسا کہ واللہ ولیھما کے لفظ سے ظاہر بھی ہو رہا ہے ۔

اس جنگ میں بھی رسول اللہ ﷺ ایک اچھے جنرل کی طرح اپنی فوج کی خوب ہمت

افزائی کر رہے تھے اور اللہ کے سچے رسول ﷺ کی طرح مومنین کو تائید غیبی اور نشر مدد کی
بشارت کا یقین دلا رہے تھے قرآن میں خود رسول ﷺ ہی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے ۔

اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثۃ الآف
من الملئکۃ منزلین بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من
فورھم ھذا یمددکم ربکم من فورھم ھذا یمدد کم ربکم
بخمسۃ الآف من الملٓئکۃ مسوّمین ۔ (آل عمران ع ۱)

(وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے
لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں
سے کرے ؟ ہاں کیوں نہیں ، بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ قائم رکھا اور وہ لوگ تم پر
فوراً ہی آ پڑے ، تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار نشان کئے
ہوئے فرشتوں سے ۔

اس جنگ کے نتیجہ ناموافق کے امکان کی خبر اور پھر اس تسلی ، عالم غیب نے اپنی کتاب
مبین میں پہلے ہی سے درج کر دی تھی ملاحظہ ہو ۔

ان یمسسکم قرحٌ فقد مس القوم قرحٌ مّثلہٗ وتلك الایام
نداولھا بین النّاس ۔ (آل عمران ع ۱۳)

اگر تم لوگوں کو کوئی زخم پہنچ جائے تو ان لوگوں یعنی (مشرکوں) کو بھی تو ایسا ہی
زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام (یعنی زمانہ) کی الٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان
کرتے ہی رہتے ہیں (تکوینی مصلحتوں سے)

چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ اس جنگ میں کچھ دیر کے لیے ہزیمت کے پورے آثار
مسلمانوں پر مسلط و مرتب رہے لیکن اس عارضی ہزیمت کے باوجود جنگ کے مستقل اور
آخری انجام سے متعلق کوئی تذبذب پیدا نہ ہوا ۔ ارشاد ہو گیا تھا کہ

ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون۔ (الانفال ع ۴)

بے شک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں، سو یہ لوگ مال خرچ تو کرتے ہی رہیں گے، لیکن وہ ان کے حق میں باعث حسرت بن جائے گا۔ اور پھر وہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔

ابن جریر کا بیان اسی آیت کی شرح میں ہے، کہ قریش کا لیڈر ابوسفیان صخر بن حرب تجارت شام سے خوب مالا مال ہو کر لوٹا تھا اس سے سرداران قریش نے مطالبہ کیا تھا کہ یہ سب مسلمانوں کو شکست دینے اور ان سے انتقام لینے میں لگا یا جائے اور اس پر عمل ہوا تھا یہ دور کی بات بھی قرآن مجید نے بتادی تھی کہ عارضی غلبہ اور وقتی تفوق کے باوجود مشرکین اپنے قدر ہمت نہ پاسکیں گے اور شوکت اسلام و مسلمین سے مرعوب ہی رہیں گے۔

سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطاناً۔ (آل عمران ع ۱۶)

ہم ابھی کافروں کے دلوں میں ہیبت بٹھا دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا کہ جس کے لیے کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری ہے۔

اس مرعوبیت کا ظہور یوں ہوا کہ حسب تصریح مورخین، مشرکین اپنی عارضی فتح کے باوجود مسلمانوں کے تعاقب کی جرات نہ کر سکے۔ الٹے پاؤں مکہ کو واپس ہوئے اور یہ خود مسلمان ہی تھے، جنھوں نے اپنے بے مثال و بے عدیل سالار لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل آگے بڑھ کر حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا اور یہاں تین دن تک اپنا پڑاؤ پوری آن بان کے ساتھ قائم رکھا۔

معرکہ احد میں شروع شروع مسلمانوں کو اپنی قلت جمعیت و قلت سامان کے باوجود بڑا غلبہ رہا۔ لیکن امکانات جنگ کا کامل صحیح اندازہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے پچاس ماہر تیر

اندازوں کا ایک دستہ شروع ہی میں ایک مند ٹیکری پر ایک گھاٹی میں متعین کر دیا تھا اور اس کو تاکید کر دی تھی کہ اس مورچے کو کسی حال میں نہ چھوڑنا ہے۔ لیکن جب مشرکوں کو شکست ہوئی اور ان کا سامان لٹنے لگا تو اس دستہ کی اکثریت اپنی جگہ پر قائم نہ رہی، بلکہ ان میں سے ۴۰ تیر انداز یہ سمجھ کر کہ اب لڑائی ختم ہو چکی، مال غنیمت کی لوٹ میں شریک ہونے گھاٹی والا مورچہ چھوڑ بیٹھے۔ خالد بن ولید جو اس وقت مشرکوں میں شامل تھے اپنے سواروں کو لے کر عقب سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں کی فتح کچھ دیر کے لیے شکست میں تبدیل ہو گئی۔ تاریخ کی ان ساری تفصیلات کو دیکھئے قرآن مجید کس ایجاز و اعجاز کے ساتھ اپنے رنگ میں بیان کرتا ہے۔

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین۔ (آل عمران ع)

اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ (نصرت) سچ کر دکھایا جب کہ تم مشرکوں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم خود ہی کمزور پڑ گئے، اور حکم (رسول) کے باب میں باہم جھگڑنے لگے اور نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا جو کچھ تم چاہتے تھے کچھ تم میں سے وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ تم میں سے وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے پھر اللہ نے تم کو ان مشرکوں سے ہٹا لیا تاکہ تمہاری پوری آزمائش کرے۔ اور یقیناً اللہ نے تم سے درگزر کی اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا صاحب فضل ہے۔

فوج کے جب قدم اکھڑتے ہیں اور بھگدڑ پڑ جاتی ہے تو افراتفری ہر قسم کی واقع ہونے لگتی ہے اور اس وقت ثابت قدمی عام انسانوں کا کام نہیں، اس موقع پر لشکر اسلام کا سپہ دار

عظمہ، جو عالی و تدبیر جنگ کے، ذاتی شجاعت و ہمت کے لحاظ سے بھی فرد فرید و بے عدیل تھا، وہ وجود زخمی ہونے کے اپنی جگہ پر ثابت و قائم رہا اور دوسروں کو پکارا کیا کہ ادھر آؤ میں ادھر ہوں، لیکن بدحواسی میں بھاگنے والوں کے اتنے ہوش ہی کہاں تھے، قرآن مجید نے یوں مواخذہ آخرت سے تو بری کر دیا جیسا کہ ابھی لقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین سے واضح ہو چکا ہے لیکن جنہوں نے وقتی نافرمانی کر کے رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچائی تو یہ ہوا کہ خود انہیں بھی اذیت پہنچی ہے۔ یہ ساری سرگزشت چند لفظوں کے اندر قرآن کی زبان حقیقت ترجمان سے سنئے۔

اذ تصعدون ولا تلوٗن علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غماً بغمّ لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیرٌ بما تعملون۔ (آل عمران ع)

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم (بھاگے ہوئے) چڑھے چلے جا رہے تھے۔ اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے کی جانب سے، سو اللہ نے تمہیں غم دیا غم کے پاداش میں تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔

جنگ بدر کی طرح اس جنگ میں بھی یہ ہوا کہ مسلمانوں کی خستہ فوج کو آرام کی سخت ضرورت تھی۔ اللہ نے ان پر یہ فضل کیا، کہ دوپہر کے وقت ان پر نیند طاری کر دی، اس سے یہ تھکی ماندی فوج تازہ دم ہو گئی۔ اس حقیقت کا عکس قرآن مجید کے آئینہ میں ملاحظہ ہو۔

ثم انزل علیکم من بعد الغمّ امنۃ نعاساً یغشی طآئفۃً منکم (آل عمران ع)

پھر اللہ نے اس غم کے بعد تمہارے اوپر راحت نازل کی یعنی غنودگی جس کا غلبہ تم میں سے ایک جماعت پر ہو رہا تھا۔ جنگ احد کے بعض منزلوں میں مومنین مخلصین کے ساتھ ساتھ

منافقین مدینہ بھی تھے جو بہ ظاہر ساتھ ہو گئے تھے۔ یہ مصیبت تو مسلمانوں ہی پر پڑی تھی، ان پر یہ حادثہ مزید شدت کے ساتھ محسوس ہو رہا تھا، ان کی ذہنی حالت کو یوں کھینچتی ہیں کہ قرآن مجید نے ان کی ذہنیت واضح بیان کی ہے اور تصویر ان کی پوری ذہنیت کی کھینچ دی ہے۔

وطآئفۃٌ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظنّ الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شیءٍ یقولون لو کان لنا من الامر شیءٌ ما قتلنا ھھنا۔ (آل عمران ع۱۶)

اور ایک دوسرا گروہ تھا، جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، یہ اللہ کے بارے میں خلاف حقیقت خیالات قائم کر رہے تھے، جاہلیت کے خیالات اور یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اگر کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔

مخلصین سے بھی فطری بشری کمزوریوں کی بنا پر جو لغزشیں سرزد ہو گئی تھیں ان سے کہیں زیادہ خطرناک یہ تھی۔ پھر بھی تنبیہ خاص انہیں بھی کر دی گئی۔

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلّھم الشیطان ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم انّ اللہ غفورٌ حلیمٌ۔(آل عمران ع۱۶)

یقیناً تم میں سے جو لوگ اس دن پھر گئے تھے جس دن کہ دونوں فریق باہم مقابل ہوئے تھے تو یہ تو بس اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے انہیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دے دی تھی اور بے شک اللہ انہیں معاف کر چکا ہے اور یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا بڑا حلم والا ہے۔

ان نافرمان سپاہیوں کا قصور بہ ظاہر بہت سخت تھا، عین معرکہ جنگ میں ایک نازک

معاملہ پر اپنے جاں نثاروں سے سخت برہمی ... اپنی اور اپنے جرنیل دونوں کی تفضیح کا سبب بن رہے تھے اور اپنی خود رائی سے ساری شکست وہزیمت پہنچوادی تھی۔ لیکن دنیوی فرمانرواؤں اور جرنیلوں کے برخلاف حضور ﷺ نے ان کے ساتھ معاملہ شفقت و ملاطفت ہی کا رکھا۔ قرآن مجید اس طرز معاملت کی گواہی ان الفاظ میں دیتا ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم۔ (آل عمران ع۱۷)

پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے۔

سیر و تاریخ کا بیان ہے کہ احد میں ۷۰ مسلمان شہید ہوئے اور اس سے قبل بدر میں مشرک ۷۰ کی تعداد میں قتل اور ۷۰ ہی کی تعداد میں گرفتار ہو چکے تھے قرآن مجید نے رمز و کنایہ میں یہ حقیقت بھی ظاہر کر دی۔

اولما اصابتكم مصيبة قد اصبتم مثليها قلتم انّى هذا قل هو من عند انفسكم ان الله على كلّ شئ قدير۔ (آل عمران ع۱۷)

اور جب تم کو ایک مار پڑی، جس کی دوگنی تم حریف پر ڈال چکے تھے، تو تم کہنے لگے کہ یہ کدھر سے ہوئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ تمہاری ہی طرف سے ہوئی، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور اسی میں مسلمانوں کی اس طبعی حیرت کا جواب بھی آگیا کہ ہم اللہ کے صاحب ایمان بندے، اللہ کی راہ میں لڑنے والے، پھر رسول ﷺ ہم میں موجود اس پر بھی شکست ہمیں کیوں؟ انہیں بتادیا گیا کہ ہمارا وعدہ فتح ونصرت تو تمہاری طاعت و اطاعت کے ساتھ مشروط تھا جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا تو وہ وعدہ باقی کہاں رہا اور ہم قادر جس طرح فتح دینے پر ہیں اسی طرح اس سے محروم کر دینے پر بھی **انى هذا قل هو من عند انفسكم ان الله على كلّ شيء قدير** جواب ابھی ختم نہیں ہوا آگے چل رہا ہے۔

وما اصابكم يوم التقى الجمعان فباذن الله وليعلم المؤمنين

وليعلم الذين نافقوا (آل عمران ع۱۷)

اور جو مصیبت تم پر اس روز پڑی جب کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئی تاکہ وہ جان لے مومنین کو بھی اور جان لے ان لوگوں کو بھی جنہوں نے منافقت اختیار کر لی تھی۔

روایت تاریخ میں آتا ہے کہ عین معرکہ قتال سے قبل قبیلہ خزرج کا ایک سردار اپنی تین سو کی جمعیت کے ساتھ لشکر اسلام سے الگ ہو گیا تھا اور اسی طرح منافقین جو اب تک مار آستین بنے ہوئے تھے ان کا پردہ فاش ہو کر رہا۔ اس غزوہ کی تاریخ اہل سیر نے لکھا ہے کہ ۷ شوال ۳ھ مطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء تھی۔

غزوۂ بدر ثانیہ:

غزوۂ احد سے اتنے تفصیلی تذکرہ سے متصل اور گویا اسی کی لپیٹ میں ایک اور غزوہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں آیا ہے جس میں لشکر اسلام پوری ہمت وعزم کے ساتھ میدان جنگ میں آ حاضر ہوا لیکن فریق مخالف جو کہاں تو مسلمان کو ڈرا دھمکا رہا تھا اور کہاں خود ہی خائف مرعوب ہو گیا، ہمت چھوٹ گئی آدھے راستے تک آ کر واپس چلا گیا اور نوبت قتال کی نہ آئی۔ قرآن مجید کا بیان سنئے۔

الذين استجابوا لله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذين احسنوا منهم واتقوا اجر عظيم۔ الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايماناً وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم يمسسهم سوء (آل عمران ع۱۸)

(یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچا تھا ان میں سے جو نیک و متقی ہیں (اور وہ سب ہی ہیں) ان کے لیے اجر عظیم ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں

سے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کیا ہے، ان سے ڈرو، لیکن اس نے ان
کا جوش ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور
وہ بہترین کارساز ہے یہ لوگ اللہ کے انعام و فضل کے ساتھ واپس آگئے انہیں
کوئی برائی (ذرا بھی) پیش نہ آئی۔

عرب مصنف اس مرد جنگ کی تعریف آپ چند سال سے ہر طرف سے سن رہے ہیں۔
اہل عرب بھی اس سے ناواقف نہ تھے بلکہ اس وقت کا تو لیڈر ابوسفیان صخر بن حرب
ہوں، لہٰذا چاہیے کہ اس فن کا ماہر تھا، اہل تاریخ کا بیان ہے کہ اس نے معرکہ احد کے بعد
اپنے خاص آدمیوں کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ مدینہ میں شروع کرا دیا تھا کہ قریش کی طاقت
بے پناہ ہے اب ان سے ٹکر لینا آسان نہیں، لیکن سچے پکے مسلمان یہ خبریں سن سن کر اور بھی
مدافعت پر آمادہ ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ لشکر لے کر نکلے، مقام بدر تک پہنچے، آٹھ روز
وہاں قیام فرمایا۔ ادھر کی لیڈر ابوسفیان بھی فوج لے کر چلا، لیکن ہمت جواب دے گئی۔ کچھ
دور چل کر راستہ سے واپس چلا گیا اور مسلمان بلا کسی قسم کا نقصان اٹھائے خوش خوش مدینہ
واپس آگئے۔ تاریخ کی کتابوں میں غزوہ کا نام بدر ثانیہ آیا ہے اور اس کا زمانہ ذی قعدہ
سنہ ۴ھ بتایا گیا ہے اور روایتوں میں آتا ہے کہ اس وقت اسلامی لشکر میں ۱۵۰۰
پیدل اور ۱۰ سوار تھے اور اہل مکہ کے لشکر میں ۲۰۰۰ پیدل اور ۵۰ سوار۔

غزوۂ بنی نضیر

اب تک جن غزوات کا ذکر آپ نے سنا یہ سب مشرکین مکہ کے مقابلہ میں تھے۔ جو مکہ
سے چڑھائی کرکے اطراف مدینہ تک آتے تھے، لیکن مدینہ سے متصل آبادی یہودی
بھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ایک اعلیٰ مدبر و حکیم السیاست کی طرح ورود مدینہ کے بعد ہی ان
سے دوستانہ معاہدہ کر لیا تھا لیکن ان کے ایک بڑے گروہ نے جو بنی نضیر کہلاتے تھے، چوری
اور بدعہدی شروع کر دی اور مسلمانوں کی ایذا پر کمربستہ ہو گئے۔ بالآخر ان پر فوج کشی

کی گئی، پہلے تو یہ اپنی قلعہ بندی پر تھے۔ بالآخر شکست ان کے نصیب میں آئی۔
ان کے لیے جلاوطنی تجویز ہوئی، اور یہ لوگ مدینہ سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔
قرآن مجید یہ ساری روداد اپنے معجزانہ انداز میں یوں بیان کرتا ہے۔

**هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتب من دیارهم لاول
الحشر ماظننتم ان یخرجوا وظنوا انهم مانعتهم حصونهم
من الله فاتاهم الله من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبهم
الرعب یخربون بیوتهم بایدیهم وایدی المؤمنین فاعتبروا
یاولی الابصار۔ (الحشر ع ۱)**

وہ اللہ وہی ہے، جس نے اہل کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی بار
اکٹھا کر کے نکال دیا۔ تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود ان کا خیال تھا
کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کی گرفت سے بچا لیں گے سو اللہ کا عذاب انہیں ایسی
جگہ پہنچا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی
تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھ سے بھی اجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے
ہاتھوں سے بھی سو اے دانش والو عبرت حاصل کرو۔

مورخین نے لکھا ہے کہ وطن چھوڑتے ہوئے ایک ہتھیاروں کی اجازت تو نہ تھی۔ باقی یہ
سارا اثاث البیت ساتھ لیتے گئے۔ یہاں تک کہ گھروں کے دروازے اور چوکھٹیں بھی، بنی
نضیر حضرت ہارون کی اولاد میں تھے اس لیے علاوہ اپنی دولت و ثروت کے یہود میں دینی
پیشوائی کا مرتبہ بھی رکھتے تھے لیکن یہ پھر بھی انہیں عذاب الٰہی کی گرفت سے نہ بچا سکی۔ پھر
بھی چونکہ انہوں نے شروع ہی میں ہتھیار رکھ دیے تھے۔ سخت تر اور انتہائی سزا یعنی قتل سے
بچ گئے۔ ارشاد ہوا ہے۔

ولولا ان کتب الله علیهم الجلاء لعذبهم فی الدنیا ولهم فی

لأنتم أشد رهبة في صدورهم من الله ذلك بأنهم قوم لا يفقهون لا يقاتلونكم جميعا إلا في قرى محصنة أو من وراء جدر بأسهم بينهم شديد تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى ذلك بأنهم قوم لا يعقلون (الحشر ع ۱)

بے شک ان لوگوں کے دلوں میں تمہارا خوف اللہ سے بھی زائد ہے، اس لیے کہ یہ لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر ہاں قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں۔ ان کی آپس میں لڑائی بڑی تیز ہے اور (اے مخاطب) تو انہیں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلوب ایک دوسرے سے بٹے ہوئے ہیں یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

بنی نضیر کی شکست اور جلاوطنی کا واقعہ ربیع الاول ۴ھ مطابق اگست ۶۲۵ء کا ہے۔

بنی قینقاع:

لیکن ان سے کوئی دو سال قبل تقریباً بالکل یہی صورت یہود ہی کے ایک دوسرے قبیلہ بنی قینقاع کو پیش آچکی تھی اور نضیر والوں نے اس سے کوئی سبق نہ لیا تھا۔ قرآن مجید نے بنی نضیر کے سلسلہ میں ادھر بھی اشارہ کر دیا ہے یہ اشارہ جو قابل ملاحظہ ہے یوں ارشاد ہوتا ہے۔

كمثل الذين من قبلهم قريبا ذاقوا وبال أمرهم ولهم عذاب أليم۔ (الحشر ع ۲)

ان لوگوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہو چکے ہیں وہ اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے اور ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔

یہود کا یہ قبیلہ بھی حوالی مدینہ میں آباد تھا اور یہود کے تینوں قبیلوں میں شجاع ترین تھا انہیں بھی بڑا ناز اپنے قلعوں اور گڑھیوں پر تھا۔ انہوں نے علاوہ اپنی عہد شکنیوں کے اپنی فر...

بازار میں ایک انصاری خاتون کی توہین کرنے کی جرأت بھی کی تھی۔ بالآخر ان کا محاصرہ کیا گیا اور انہیں بھی مدینہ سے جلاوطنی دی گئی۔

تاریخ میں اس کا زمانہ شوال ۲ ہجری یعنی اپریل ۶۲۴ء ثبت ہے۔

غزوہ بنی قریظہ

یہود کے تیسرے قبیلہ کا نام بنی قریظہ تھا یہ بھی حوالی مدینہ میں آباد تھے اور ان کے اور بنی نضیر کے درمیان حد فاصل کچھ باقی نہ تھی۔ بد عہدی، اور شر انگیزی میں یہ شاید اوروں سے بھی بڑھے ہوئے تھے بار بار مسلمانوں سے حلیف بنتے تھے اور پھر عہد توڑ دیتے تھے یہاں تک کہ ایک بار کھلم کھلا جنگ میں مشرکین مکہ کے شریک ہو گئے۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے ان پر فوج کشی کی اور پندرہ روز کے محاصرہ میں یہ اپنی جان سے عاجز آ گئے۔ اپنی قسمت کا فیصلہ انہوں نے مدینہ کے مشہور سردار قبیلہ اوس سعد بن معاذ پر چھوڑا اور پھر انہیں کے فیصلہ کے مطابق ان کے مرد قتل کر دیے گئے اور ان کے بچے اور عورتیں گرفتار ہو گئے۔ قرآن مجید میں رسول کو خطاب کر کے یوں ارشاد ہوا ہے۔

الذين عاهدت منهم ثم ينقضون عهدهم في كل مرة وهم لا يتقون فإما تثقفنهم في الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم يذكرون۔ (الانفال ع ۸)

یہ لوگ ہیں جن سے آپ عہد (بار بار) لے چکے ہیں پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اس سے) ڈرتے نہیں تو آپ انہیں اگر جنگ میں پا جائیں تو انہیں ایسی سزا دیں کہ دوسرے بھی سمجھ جائیں۔

اور دوسری جگہ یہ ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو اس موقع پر تو جنگ کرنا ہی نہ پڑی اور غزوہ احزاب میں جن یہود یعنی یہود بنی قریظہ نے مشرکین و معاندین اسلام کا ساتھ دیا تھا۔ آخر مسلمانوں سے مرعوب و خائف ہو کر انہیں خود اپنے قلعے چھوڑنے پڑے اور قتل و اسیری

حوصلہ مند ہوئے ان کی ہمت و ثبات کا نقشہ ان روح پرور موثر لفظوں میں ملاحظہ ہو۔

ولما رأ المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم الا ايماناً وتسليماً من المؤمنين رجالٌ صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبهٗ و منهم من ينتظر وما بدلوا تبديلاً۔ (الاحزاب ع۳)

اور جب اہل ایمان نے (ان) لشکروں کو دیکھا کہ بولے یہی وہ موقع ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کے ایمان واطاعت میں ترقی ہی ہوئی اہل ایمان میں وہ لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے پھر ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں اور انہوں نے اپنے میں ذرا فرق نہیں آنے دیا۔

دشمنوں کو باوجود کثرت تعداد اور باوجود اپنی ساری خوش تدبیروں اور فراط سازو سامان کے جس طرح ناکام و نامراد واپس جانا پڑا اس کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔

ورد الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيراً۔ (الاحزاب ع۳)

اور اللہ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا۔

جتنی معاندین اسلام لائے تو اس کروفر سے تھے لیکن کس حسرت کے ساتھ انہیں مدینہ کا محاصرہ اٹھا لینا اور تمام تر سب مل مرمراد واپس جانا پڑا۔ مورخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ذیقعدہ ۵ ہجری مطابق اپریل ۶۲۷ء کا ہے۔

غزوۂ حدیبیہ:

یہ حقیقتاً کوئی غزوہ نہیں اس لیے کہ نہ یہاں کوئی جنگ پیش آئی اور نہ حضور جنگ کے ارادے سے گھر سے روانہ ہوئے تھے لیکن اہل سیر و تاریخ نے اس کا ذکر غزوات کی

کے ذیل میں کیا ہے۔ اس لیے یہ عنوان بڑھانا پڑا۔

ایک خواب کی بنا پر حضور ذیقعدہ ۶ ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تھے۔ ۱۴۰۰ اصحاب ساتھ تھے، مکہ پر قبضہ ابھی تک مشرکوں کا تھا اس لیے آپ ﷺ نے پہلے رفیقوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی شخص بجز ایک تلوار کے (جو عرب میں لازمہ سفر تھی) اور کوئی ہتھیار اپنے پاس نہ رکھے۔ تاہم احتیاطوں کے باوجود بھی اہل مکہ بدگمان ہی رہے اور مقابلہ و مزاحمت کی تیاری اپنے ہاں شروع کر دی، ابھی آپ ﷺ مقام حدیبیہ میں تھے اور شہر مکہ سے ایک منزل ادھر کہ یہ خبر آپ کو ملی۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمان کی سیادت میں ایک وفد سرداران قریش کے پاس بھیجا کہ ہم لڑنے کی نیت سے نہیں صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو وہاں کچھ دیر ہوئی اور خبر یہ اڑی کہ قریش نے حضرت عثمان کو شہید کر ڈالا۔ اس پر قدرتاً رسول اللہ ﷺ کو غیرت آئی اور سخت ناگواری پیدا ہوئی اور اب آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے تشریف رکھ کر سب سے بیعت لی کہ خون عثمانؓ کا قصاص اپنی جانیں دے کر لیا جائے گا۔ پھر جب وہ خبر ہی بے بنیاد ثابت ہوئی تو نوبت کسی جدال و قتال کی نہ آئی اور ایک معاہدہ صلح مرتب ہو گیا۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کی ہمت و ثبات کی اس مثال کو بطور یادگار محفوظ رکھا اور خوشنودی کا پروانہ عطا کر دیا ہے۔

لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشّجرة فعلم ما في قلوبهم فانزل السّكينة عليهم واثابهم فتحاً قريباً (الفتح ع۳)

اللہ راضی ہو گیا مومنوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اللہ کو اس کا علم ہو گیا سو اس نے ان پر تسلی اتاری اور انہیں قریب ہی زمانہ میں فتح عنایت کی۔

قرآن مجید نے مومنین کو یہ تسکین بھی دی کہ وہ اس عارضی التواء سے ملول نہ ہوں،

ہی کہ خواب پوری طرح سچا ہو رہے گا اور مسلمان سب عمرہ ادا کریں گے اور ارکان متعلقہ نبی سے ادا کریں گے ارشاد ہوا ہے۔

لقد صدق الله رسوله الرويا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشآء الله امنين محلقين رؤسكم ومقصرين لاتخافون (الفتح ع ۴)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دکھایا مطابق واقعہ کے تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے انشاء اللہ امن کے ساتھ اپنے سر منڈاتے ہوئے اور بال کترائے ہوئے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔

صلح حدیبیہ میں قبل اس کے کہ معاہدہ صلح مکمل ہو یہ واقعہ بھی پیش آ چکا تھا کہ قریش نے ایک دستہ بھیج دیا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن یہ لوگ خود گرفتار ہو گئے مسلمان چاہتے تو ان قیدیوں کو قتل کر دیتے لیکن اس طرح جنگ و خونریزی کا سلسلہ فوراً شروع ہو جاتا لہٰذا رحمت عالم ﷺ نے انہیں معاف کر کے رہا کر دیا قرآن مجید میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف بھی موجود ہے۔

وهو الذی كف ايديهم عنكم وايديكم عنهم ببطن مكة من بعد ان اظفركم عليهم (الفتح ع ۳)

اور وہ اللہ ہی تو ہے جس نے ان لوگوں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے بطن مکہ میں روک لیے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔

اسی معاہدہ حدیبیہ میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ جب صلح نامہ مرتب ہو رہا تھا تو قریش کے سفیر نے اعتراض کیا کہ ہم بسم الله الرحمن الرحيم لکھنے کے روادار نہیں اس کی جگہ باسمك اللهم رہے اور دوسری بات یہ کہ بجائے محمد رسول الله کے معاہدہ پر صرف محمد بن عبد اللہ تحریر ہو مسلمانوں کو یہ جاہلی تعصب قدرتاً سخت ناگوار تھا قریب تھا کہ صلح کی گفتگو کی بات ہی ختم ہو جائے رحمت عالم ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کے

اس جوش و خروش کو ٹھنڈا کیا، قرآن مجید نے حقیقت افروز بیان سے یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی گئی ہے۔

اذ جعل الذين كفروا فی قلوبهم الحمية الحمية فانزل الله سكينته على رسوله وعلى المؤمنين.

اور جب کافروں نے اپنے دلوں میں تعصب اور تعصب جاہلی کو جگہ دی تو اللہ نے اپنی طرف سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا۔

اور جب مومنین نے درخت کے نیچے حضور ﷺ کے ہاتھ پر سرفروشی کی بیعت کی تھی۔ اس کی منظوری قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم (الفتح ع ۱)

بے شک جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے انہوں نے اللہ سے بیعت کی ہے اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

اور انہیں پروانہ خوشنودی جو عطا ہوا وہ بھی چند منٹ قبل کے ذیل میں تو آپ سن ہی چکے ہیں حدیبیہ کے اس واقعہ کا زمانہ ذیقعدہ ۶ ہجری کی ہے مطابق مارچ ۶۲۸ء۔

غزوہ خیبر:

یہودیوں کی ایک بستی مدینہ منورہ کے شمال میں شامی جانب ۸ منزل پر یا بقول بعض سیاحوں کے ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر تھی یہاں ان کے قلعے مستحکم اور کئی موجود تھے ان سے مسلسل جرائم کی سازش میں ان کی تادیب پر جو مہم روانہ ہوئی اس کی قیادت خود آنحضرت ﷺ نے کی کچھ دن کے محاصرہ کے بعد سارے قلعے فتح ہو گئے اور مال غنیمت کثرت سے حاصل ہوا۔

قرآن مجید میں اس غزوہ کا ذکر تو ہے مگر مستقلاً اور بہ تصریح نام نہیں بلکہ اشارۃً اور دوسرے واقعات کے ضمن میں صلح حدیبیہ کے سلسلہ بیان میں منافقین کی فطرت کے اظہار کے لیے بطور پیش خبری کے ہے۔

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوها ذرونا نتبعکم۔ (الفتح ع۲)

(یہ پیچھے رہ جانے والے) منافقین عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ ہو لیں۔

یہ اشارہ خیبر کی غنیمتوں کی جانب ہے، جو قریب ہاتھ لگنے والی تھیں یہ مومنین کی مدینہ واپسی حدیبیہ کی مراجعت کے منظر میں ہے۔

فانزل السکینة علیهم واثابهم فتحا قریبا ومغانم کثیرة یاخذونها وکان اللہ عزیزا حکیما۔ (الفتح ع۳)

اللہ نے ان لوگوں میں طمانیت پیدا کر دی، اور انہیں قریب ہی کی ایک فتح دے دی اور انہیں ایسی غنیمتیں بھی جنہیں یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔

فتح قریب اور غنیمت کثیر کی بشارتوں کا تعلق اسی مستقبل قریب کی فتح خیبر سے ہے۔

اور یہی بعد کو ارشاد ہوتا ہے۔

وعدکم اللہ مغانم کثیرة تاخذونها فعجل لکم هذه (الفتح ع۳)

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ تم انہیں لوگے۔ سو سر دست تمہیں یہ فتح دے دی ہے۔

اس غنیمت کثیر کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں درج ہے اور سر ولیم میور نے "لائف آف محمد" میں لکھا ہے کہ اس مقدار کثیر میں مال غنیمت اس سے قبل مسلمانوں کو کبھی نہیں ملا تھا۔ واقعہ کا زمانہ محرم و صفر ۷ ہجری مطابق مئی و جون ۶۲۸ء ہے۔

غزوۃ الفتح:

غزوات نبوی کے سلسلہ میں فتح مکہ کا زمانہ (گو صحیح معنی میں غزوہ وہ بھی نہیں) سب

چاہئے سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ لڑائیاں چھوٹی بڑی جتنی بھی ہوئیں سب کا مرکزی نقطہ یہی تھا۔

صلح حدیبیہ کا زمانہ فتح مکہ سے دو ڈھائی سال قبل کا ہے، قرآن مجید نے پیش خبری اسی وقت یقین کے ساتھ کر دی تھی۔

انا فتحنا لک فتحا مبینا۔ (الفتح ع۱)

ہم نے آپ کو (اے پیغمبر) ایک فتح دے دی کھلی ہوئی فتح۔

آیت میں گو اشارہ قریب صلح حدیبیہ کی جانب ہے، لیکن سب مانتے ہیں کہ اشارہ بعید فتح مکہ کی جانب ہے۔

عرب اب جوق در جوق ایمان لا رہے تھے اور قبیلے پر قبیلے اسلام میں داخل ہوتے جا رہے تھے فتح مکہ چیز ہی ایسی تھی۔ قرآن مجید نے اس کی اپنی بلیغ زبان میں یوں نقشہ کشی کی ہے۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا (النصر)

جب آ گئی اللہ کی مدد اور فتح اور آپ نے لوگوں کو دیکھ لیا کہ فوج کے فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

اور خیر یہ صورت تو فتح مکہ کے بعد واقع ہوئی، خود فتح اس طرح حاصل ہوئی کہ گو رسول اللہ کے ہمراہ دس ہزار جاں نثار صحابیوں کا لشکر تھا اور عرب کے بڑے بڑے پر قوت قبیلے اپنے اپنے جیش بناتے ہوئے اور اپنے اپنے پرچم اڑاتے ہوئے جلو میں تھے، لیکن خونریزی دشمن کے اس شہر بلکہ دار الحکومت میں برائے نام ہی ہونے پائی اور شہر پر قبضہ بغیر خون کی ندیاں بہے، گویا چپ چپاتے ہو گیا۔

هو الذی کف ایدیهم عنکم وایدیکم عنهم ببطن مکة من بعد

ان اظفركم عليهم (الفتح ع ٣)

وہ خدا ہی ہے جس نے روک دیے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے شہر مکہ میں بعد اس کے کہ تم کو ان پر فتح مند کر دیا تھا۔

اس آیت میں اشارہ جہاں بقول بعض شارحین کے حدیبیہ کی طرف ہے وہیں بقول بعض دوسرے شارحین کے غیر خونریز فتح مکہ کی جانب ہے۔

فتح مکہ کا یہ عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ کے لیے نادر و یادگار واقعہ رمضان ۸ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ عیسوی میں پیش آیا۔

غزوہ حنین:

غزوہ بدر کے علاوہ دوسرا غزوہ جس کا تذکرہ اشارۃً نہیں بلکہ نام کی صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے وہ غزوہ حنین ہے، حنین ایک وادی کا نام ہے، جو شہر طائف سے ۳۰،۴۰ میل شمال و مشرق میں جبل اوطاس میں واقع ہے یہ عرب کے مشہور جنگجو و جنگ آزما قبیلہ ہوازن کا مسکن تھا اور اس قبیلہ کے ملکہ تیر اندازی کی شہرت دور دور تک تھی۔ انہوں نے فتح مکہ کی خبر پا کر دل میں کہا کہ جب قریش مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے تو اب ہماری بھی خیر نہیں اور خود ہی جنگ و قتال کا سامان شروع کر دیا اور چاہا کہ مسلمانوں پر جو ابھی مکہ ہی میں تھے یک بیک چڑھائی کر دیں اور اس منصوبہ میں ایک دوسرا پر قوت و جنگجو قبیلہ بنی ثقیف بھی ان کا شریک ہو گیا اور ہوازن و ثقیف کے اتحاد نے دشمن کی جنگی قوت کو بہت ہی بڑھا دیا۔

حضور ﷺ کو جب اس کی معتبر خبر ملی تو ایک اچھے جنرل کی طرح آپ خود ہی پیش قدمی کر کے باہر نکل آئے اور مقام حنین پر غنیم کے سامنے صف آرائی کر لی، آپ کے لشکر کی تعداد ۱۲ ہزار تھی ان میں ۱۰ ہزار تو وہی فدائی تھے جو مدینہ سے ہم رکاب آئے تھے، دو ہزار آدمی مکہ کے بھی شامل ہو گئے مگر ان میں سب مسلمان نہ تھے۔ کچھ تو ابھی بدستور مشرک ہی تھے، اور کچھ نومسلم کے بجائے صرف نیم مسلم تھے۔ بہر حال بارہ ہزار کی اس جمعیت کثیر پر

مسلمانوں کو ناز ہوا، سوچا کہ جب ہم تعداد قلیل میں رہ کر برابر فتح پاتے رہے تو اب کی تو تعداد کئی گنی ہے، اب فتح میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو اس کے بعد سے [illegible] دشمن کے لشکر پر بہت ہی سخت [illegible] اور مسلمانوں کا اپنی کثرت تعداد پر فخر و ناز بھی [illegible] ایک موقع ایسا بھی پیش آیا کہ اسلامی فوج کو ایک شکست سی ہوئی [illegible] شروع کر دی [illegible] آخر فتح مسلمانوں ہی کے حصہ میں رہی۔

قرآن مجید نے اس سارے تاریخی واقعہ کی نقشہ کشی اپنے الفاظ میں کر دی ہے۔

ولقد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئًا وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المومنين وانزل جنودا لم تروها وعذب الذين كفروا وذلك جزآء الكافرين. (التوبه ع ٤)

اور اللہ نے یقیناً بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی ہے اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت تعداد پر غرہ ہو گیا تھا۔ تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے اس کے بعد اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول اور مومنین پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نہ دیکھ سکے اللہ نے کافروں کو عذاب میں پکڑا اور یہی بدلہ ہے، کافروں کے لیے۔

غزوہ حنین کا زمانہ شوال ۸ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ء کا ہے۔

غزوہ تبوک:

آپ نے اب تک جتنے بھی مدافعت کا [illegible] کرتا، یہ سب قبائل عرب و یہود کے مقابلہ میں

تھے۔ مگر اب سامنا ایسے لشکر کا ہونے والا تھا، جو وقت کے معیار کے مطابق ہر طرح سے جدید ومتمدن سازوسامان سے آراستہ تھا، عرب کے شمال میں حکومت آلِ غسان کی تھی اور یہ ایک باج گزار عیسائی ریاست روما کی عظیم شہنشاہی کی تھی اور روما و ایران یہی دو اس وقت کی تہذیب وتمدن کی ترقیوں سے مالا مال تھے۔ مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ رومی شہنشاہ کے حکم سے اس کی ہر طرح کی فوج کا اجتماع سرحد پر ہو رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ یہ اطلاع پا کر حسبِ معمول پیش قدمی کر کے روانہ ہو گئے۔

لشکرِ اسلام بھی اب تعداد میں ۳۰ ہزار تھا اور تبوک پر اس نے کیمپ قائم کر دیا تبوک مدینہ سے ۱۴ منزل کے فاصلہ پر شام کی راہ پر تھا۔ اتنی دور دراز مسافت پیدل ہی لوگوں کو طے کرنی تھی۔ پھر گرمیوں کا موسم اور اتفاق سے اس سال گرمی اس زمانہ میں بہت سخت تھی اور باغات مدینہ کی فصل کا زمانہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مقابلہ ایک متمدن وقوی اور دل فوج سے اور اپنی طرف بے سروسامانی کا یہ عالم کہ ایک اونٹ میں کئی کئی سوار شریک اور رسد کی اس درجہ قلت کہ سپاہی ایک ایک کھجور بھی ہر سپاہی کو نصیب نہیں، ان حالات نے کس قدر اچھے اچھوں کی ہمت پست کر دی اور لوگ جانے سے جی چرانے لگے۔

اور منافقوں کی تو بن آئی تھی۔ انہوں نے صاف صاف کہنا اور دوسروں کو ورغلانا شروع کر دیا تھا کہ اس گرمی میں بھلا کوئی سفر کیسے اختیار کر سکتا ہے؟ قرآن مجید نے ان کا قول مع جواب کے اس طرح نقل کیا ہے۔

وقالوا لاتنفروا فی الحرّ قل نارجهنم اشدحرًا لو کانوا یفقهون۔ (التوبه ع ۱۱)

یہ کہنے لگے کہ گرمی کے موسم میں نہ نکلو، آپ کہہ دیجیے۔ دوزخ کی آگ اس سے (کہیں) زیادہ گرم ہے، کیا خوب ہوتا اگر یہ لوگ سمجھ سے کام لیتے۔

اور بعض نے تو یہاں تک اونچی اڑانی تھی کہ فرمانے لگے کہ رومیوں کی سرزمین پر

قدم رکھ کر ہم تو وہیں کے فتنوں کے شکار ہو جائیں گے۔ اس لیے ہمارا نہ جانا ہی بہتر ہے۔ قرآن مجید نے ان کا عذر بھی نقل کر کے اس پر شدید تنبیہ کی ہے۔

ومنهم من یقول ائذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنة سقطوا وان جهنم لمحیطة بالکافرین۔ (التوبه ع ۷)

اور ان میں بعضا شخص وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (رہ جانے) کی اجازت دیجیے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے۔ خبردار فتنہ میں تو یہ خود ہی پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ ان کافروں کو گھیر لے گی۔

اس سب کے باوجود جب آپ ﷺ روانہ ہوئے ہیں۔ تو ۳۰ ہزار کا لشکر ہمراہ تھا تبوک میں قیام دو مہینہ رہا، لیکن غنیم سامنے نہ آیا اور اسلامی لشکر مع الخیر واپس آ گیا قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے۔ مگر ضمناً میر لشکر اور جانباز رفیقوں کی مدح کی ہے۔ وقت و موسم کی سختی کا پورا ذکر رکھا ہے (چنانچہ اس غزوہ کا نام ہی جیش العسرۃ پڑ گیا) اور کمزور ارادہ والوں کا پردہ خاموشی کیا ہے۔

لقد تاب الله علی النّبی والمهاجرین والانصار الّذین اتبعوهٗ فی ساعة العسرة من بعد ماکاد یزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم انّه بهم رءوفٌ رّحیم۔ (التوبه ع ۱۴)

خدا نے ضرور پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین و انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا پھر اللہ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی۔ بلاشبہ وہ (ان سب پر) بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے۔

اس غزوہ کا زمانہ، رجب تا رمضان ۹ ہجری مطابق اکتوبر، دسمبر ۶۳۰ عیسوی ہے۔

کی پروا نہ کیجیے۔

اور پھر اسی قسم کا حکم اور زیادہ مؤکد اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (المائدہ ع ۱۰)

اے پیغمبر آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے، آپ سب پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا۔ تو آپ نے اللہ کا ایک پیغام بھی نہ پہنچایا۔

اور اسی قبیل کی یہ آیت بھی ہے۔

انا ارسلنک بالحق بشیرًا و نذیرًا (البقرہ ع ۱۲)

بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو دین حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر۔

اور یہی آیت سورۃ الفاطر رکوع ۳ میں آئی ہے۔ اور وہیں یہ آیت بھی آئی ہے

ان انت الا نذیر (الفاطر ع ۳)

آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہی ہیں۔

اور اسی مضمون کی اور لفظ بھی اسی سے ملتی جلتی آیتیں اور بھی ہیں۔

مثلاً

انا ارسلنک بالحق بشیرًا و نذیرًا (الفاطر ع ۳)

بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو دین حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر۔

اور

وما ارسلنک الا مبشرًا و نذیرًا (بنی اسرائیل ع ۱۲)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر مبشر و نذیر بنا کر۔

اور یہی آیتیں سورہ فتح و سورۃ الاحزاب و سورۃ الفرقان میں بھی ملتی ہیں۔ ان ساری

آیتوں سے اتنا تو واضح یقینی مؤکد طور پر متعین ہو جاتا ہے کہ آپ کے ذمہ فریضہ تبلیغ و دعوت تھا اور آپ شان ہی سے "بشیر" "نذیر" "مبشر" اور "شاہد" تھے اور یہ سب تصریحات گو نہ ہوتیں جب بھی خود لفظ رسول کے اندر اجمالاً یہ فرائض آ گئے تھے، رسالت کے معنی ہی یہ ہیں کسی کا پیام کسی کو پہنچانا تو آپ کی پیامبری اور پیام رسانی میں تو کوئی اشتباہ واقع ہو ہی نہ سکتا تھا۔ گفتگو صرف اس میں ہے کہ آپ کا مخاطب کون سا گروہ، کون سا طبقہ، کون سی انسانی آبادی تھی؟

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کے سپرد تبلیغ و ہدایت سب سے پہلے آپ کے کنبہ اور برادری والوں کی ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی تھی؟

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ کے سپرد تبلیغ و ہدایت سب سے پہلے آپ کے کنبہ اور برادری والوں کی ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وانذر عشیرتک الاقربین (الشعراء ع ۱۱)

اور اپنے قریب کے خاندان والوں کو ڈرا دیجیے۔

اور قدرتاً آغاز یہیں سے ہونا بھی تھا۔ اس کے بعد پھر اس قدرتی ترتیب سے دائرہ دعوت وسیع ہو کر قوم عرب یعنی نسل اسمٰعیل تک پہنچا۔ اس کی جانب رہنمائی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔ مثلاً

لتنذر قومًا ما انذر آباؤھم فھم غافلون (یٰسین ع ۱)

تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جس کے باپ دادا ڈرائے نہیں گئے ہیں وہ اس سے بے خبری میں ہیں۔

یہاں "قوم" سے کھلی ہوئی مراد قوم عرب یعنی نسل اسمٰعیل سے ہے۔ دوسری آیت اسی تائیدی سلسلہ میں ہے۔

ان میں سب سے پہلے نمبر مشرکین کا آتا ہے۔ ان کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ مشرکین اور الذین اشرکوا کا ذکر اور شرک کے بابت ۱۶۵ مقامات قرآن مجید میں صدہا آیتیں میں وارد ہوئے۔ اور نہ صرف لفظ کے علاوہ بالواسطہ بھی جو آیات عبادت غیر اللہ کی ممانعت ہے اور اس پر زجر اور ملامت میں وارد ہوئی ہیں ان کی تعداد اور بھی زائد ہے۔ محمد ﷺ جو پیغام لے کر آئے تھے اس کا اہم ترین جز توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا اثبات، ذات، صفات، افعال، ہر پہلو اور ہر اعتبار سے۔ قرآن نے اسی پیام کو صدہا بار دہرایا ہے۔ مختلف پیرایوں میں اور تاکید سب سے زیادہ اسی میں رکھی ہے۔ کہیں یوں۔

وقال اللہ لا تتخذوا الٰہین اثنین انما ھو الٰہ واحد (النحل ع ۷)

کہا ہے کہ دو خدا نہ بناؤ بس میں ایک ہی خدا ہوں

اور کہیں یوں

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد (الکہف ع ۱۲) حم السجدہ ع ۱)

آپ کہہ دیجئے میں تو بس بشر ہی ہوں تمہیں جیسا۔ اور مجھ پر وحی یہ آئی ہے کہ بس تمہارا ایک ہی خدا ہے۔

کہیں مطلق صورت میں ارشاد ہوا ہے کہ

والٰھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو (البقرہ ع ۱۹)

اور تمہارا خدا بس، ایک ہی خدا ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔

یا یہ

هو الله الواحد القهار (زمر ع۱)

وہی اللہ ایک اور زبردست ہے۔

اور کہیں یوں ارشاد فرمایا کہ یہی معیار اسلام یا انقیاد کا ہے۔

قل انما یوحی الی انما الٰهکم اللّٰہ واحد فهل انتم مسلمون (الانبیاء ع۷)

آپ کہہ دیجیے کہ مجھ پر وحی آتی ہے کہ بس تمہارا خدا صرف ایک ہی خدا ہے تو اب تم اسلام لاتے ہو؟

اس مضمون کی آیتیں ایک دو نہیں بیسیوں ہیں ایک جگہ ایک مختصر جامع سورۃ میں ہر قسم کے شرک کی نفی کر کے لفظ بھی بجائے "واحد" کے "احد" لایا گیا ہے۔

قل هو اللّٰہ احدٌ اللّٰہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لهٗ کفوًا احدٌ (الاخلاص)

آپ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے اور (سب سے) بے نیاز ہے، نہ اس کے کوئی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد اور نہ کوئی اس کے جوڑ کا ہے۔

اہل لغت اور علماء ادب نے لکھا ہے کہ احد، واحد کی ترقی یافتہ شکل ہے واحد جمع وتعدد کو قبول کر لیتا ہے، لیکن احد، تفرید میں کامل اور تجرید میں یکتا ہے اور اگر یہ ال کے اضافہ کے ساتھ الاحد کر کے لایا جائے تو یہ اسم ذات کی طرح مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اور **هو الذی لا اله الا هو** اور **اللّٰہ لا اله الا هو** کی قسم کی تو بہ کثرت آیتیں قرآن میں ہیں۔ جن سے خداؤں کے تعدد یا غیر اللہ معبود کے وجود ہی کی سرے سے نفی کی گئی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں اس قسم کے شرک جلی کی بڑی گرم بازاری تھی اور سب سے زیادہ یہی لوگ آپ کا پیام حق کرسی ان سنی کرتے تھے اور چونکہ آپ ﷺ مامور تھے تبلیغ پر

جیسا کہ آیات کریمہ

قم فانذر (المدثر ع۱) آپ کھڑے ہو جایئے اور خبردار کیجیے۔ اور

یاایها الرسول بلّغ ماانزل الیك (المائدہ ع۱۰)

اے رسول آپ پہنچا دیجیے جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے۔ اور

فانّما علیك البلاغ (آل عمران ع۲)

آپ کے ذمہ تو بس پہنچا دینا ہے۔ اور

فانّما علیك البلاغ المبین (النحل ع۱)

آپ کے ذمہ تو بس کھلم کھلا تبلیغ ہی ہے۔

اور بہت سی دوسری آیتوں سے ظاہر و ثابت ہے، اس لیے یہ بات ایک حد تک بالکل قدرتی تھی کہ جو لوگ اپنی وہم پرستیوں میں زیادہ راسخ اور جامد تھے۔ انہوں نے نئی دعوت کو سن کر اس کی مخالفت بھی شدت سے کی اور دعوت و داعی دونوں کے دشمن ہو گئے۔ انہیں حیرت تھی کہ یہ نیا داعی سارے خداؤں کو چھوڑ کر خدائے واحد (یکتا) کی طرف کیسے بلا رہا ہے، کبھی حیرت اور غصہ کے ساتھ کہتے کہ:

هذا سٰحرٌ کذّابٌ اجعل الاٰلهة الٰهًا واحدًا انّ هذا لشیءٌ عجابٌ (ص ع۱)

یہ محض ساحر ہے، کذاب ہے، کیا اس نے تمام خداؤں کو بس ایک خدا بنا دیا ہے؟ یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے۔

اور کبھی یہ کہتے کہ:

ماسمعنا بهذا فی الملّة الاٰخرة ان هذا الا اختلاق (ص ع۱)

ہم نے تو یہ (کبھی اپنے) پچھلے مذہب میں سنا نہیں ہو نہ ہو یہ گڑھی ہوئی چیز ہے۔

اور اسی طرح قوم نوح نے بھی اپنے نبی کی دعوت توحید پر کہا تھا کہ

ماسمعنا بهذا فی اٰبائنا الاوّلین (المومنون ع۲)

ہم نے اپنے باپ دادوں سے کبھی تو یہ سنا نہیں۔
قدرۃً رسول اللہ ﷺ کا یہ مطالبہ مخاطبین کو بہت عجیب معلوم ہوتا اور ناگوار بھی گزرتا اور ان کی طرف سے فرمائش طرح طرح معجزات کی ہوتی اور بار بار ہوتی کبھی کہتے۔

لولا یکلّمنا اللہ اوتاتینا ایۃٌ۔ (البقرۃ ع ١٤)

یعنی ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی معجزہ کیوں نہیں آتا۔
اور کبھی پیغمبر کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ

لولا نزّل علیه اٰیة من رّبه (الانعام ١٤)

ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں آتا۔
یہ مضمون بیسیوں آیتوں میں دہرایا گیا ہے اور کبھی یہ لوگ معجزات کا نام بھی متعین طور پر لے دیتے کہ اگر اپنے دعویٰ رسالت اور تعلق باللہ میں سچے ہو تو فلاں فلاں خارق عادت واقعات کرکے ہمیں دکھا دو چنانچہ کہتے

لولا انزل علیه کنز اوجآء معه ملکٌ (هود ع ٢)

ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں آتا
اور کبھی یہ کہتے

اویلقی الیه کنزٌ اوتکون لهٗ جنة یاکل منها۔ (الفرقان ع ١)

ان پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتار دیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔
اور کبھی ان فرمائشی خوارق و معجزات کی فہرست خاصی طول طویل ہوتی مثلاً یہ کہتے کہ۔

لن نؤمن لك حتّی تفجرلنا من الارض ینبوعًااوتکون لك جنة من نّخیلٍ وعنبٍ فتفجّر الانهار خلالها تفجیرًااوتسقط السّمآء کما زعمت علینا کسفًا اوتاتی باللّٰه والملٰٓئکة قبیلًا اویکون لك بیتٌ من زخرفٍ اوترقٰی فی السّمآء۔ (بنی اسرائیل ع ١٠)

ہم تجھ پر ایمان ہرگز نہ لائیں گے۔ جب تک تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ نہ جاری کر دے یا پھر تیرے لیے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو اور تو اس کے درمیان نہریں جاری کر دے یا آسمان کا کوئی ٹکڑا توڑ کر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا خدا اور فرشتوں کو تو ہمارے سامنے لے آئے یا تیرے لئے گھر سونے کا ہو جائے یا تو آسمان پر (ہماری آنکھوں کے سامنے) چڑھ جائے۔
یہ ساری آیتیں مکی ہیں اور ایسے فرمائشی معجزات کے مطالبے اہل مکہ خصوصاً قریش ہی کی جانب سے زیادہ پیش ہوتے رہتے تھے، اور ان کے شرک کے یہ معنی نہ تھے کہ یہ لوگ اللہ کے وجود کے منکر ہیں اور اس کے بجائے اور خدا تسلیم کر رہے ہوں۔ نہیں یہ لوگ اللہ کے وجود کے پوری طرح قائل تھے، لیکن اسے خدائے واحد یکتا نہیں، بلکہ صرف خدائے اعظم تسلیم کرتے تھے۔ یعنی گو سب سے بڑا خدا اللہ ہے تاہم اس کے ساتھ یا شاید اس کے، تحت اور بھی بہت سے خدا ہیں اور معبودیت و حاجت روائی ہیں اسی طرح ہیں، بلکہ شاید اس سے بھی بڑھ کر اور اب ہے اس مشرکانہ منطق میں تعلق انہیں سے زیادہ رکھنا چاہیے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ پر سخت جرح کی، اور بار بار سوالات کر کے اہل جاہلیت کو ان کی جاہلیت پر متنبہ و آگاہ کیا چنانچہ ایک جگہ یہ جرحی سوالات بہت دور تک چلے گئے ہیں۔

، اللّٰه خیرٌ امّایشرکون امّن خلق السّمٰوٰت والارض وانزل لکم مّن السّماء مآءً فانبتنا به حدائق ذات بهجةٍ مّا کان لکم ان تنبتوا شجرها ءالٰهٌ مّع اللّٰه بل هم قومٌ یعدلون امّن جعل الارض قرارًا وّجعل خلالها انهٰرًا وّجعل لها رواسی وجعل بین البحرین حاجزًا ءالٰهٌ مع اللّٰه بل اکثرهم لا یعلمون امّن یّجیب المضطرّ اذا دعاه ویکشف السّوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالٰهٌ مّع اللّٰه قلیلًا ما تذکرون امّن یّهدیکم فی ظلمات

البرّ والبحر ومن یّرسل الرّیاح بشرًا بین یدی رحمۃ ۔ الٰہ مع اللّٰہ عمّا یشرکون۔ امّن یبدؤا الخلق ثم یعیدہٗ و امّن یّرزقکم من السّمآء والارض ۔ إلٰہ مع اللّٰہ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ (النمل ع۵)

(بھلا بتاؤ تو کہ) اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں؟ آیا وہ جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے اس نے تمہارے لیے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے ہم نے رونق دار باغ لگائے ورنہ تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکو تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ یا وہ ذات جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان درمیان ندیاں بنائیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان حد فاصل بنائی تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر تو سمجھتے ہی نہیں، آیا وہ جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین پر صاحب تصرف بناتا ہے تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ بہت ہی کم تم لوگ یاد رکھتے ہو۔ آیا وہ جو تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ سجھاتا ہے اور جو تمہیں ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ اللہ برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے آیا وہ جو مخلوق کو اوّل بار پیدا کرتا ہے اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور تمہیں رزق دیتا ہے آسمان و زمین سے تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے۔ آپ کہئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم (دعویٰ شرک میں) سچے ہو۔

ان آیتوں میں مشرکین پر حجت قائم کی ہے کہ جب اللہ ہی خالق و فاطر، رازق و نافع اور

حاکم امور ہے اور تم اسے تمام تر تسلیم بھی کرتے ہو تو آخر یہ تمہیں کیا سودا ہے کہ تم اس کے ہوتے ہوئے دوسرے خداؤں کی طرف جھکتے ہو ان سے اپنی حاجتیں عرض کرتے ہو اور انہیں بھی درجہ معبودیت میں رکھتے ہو!

اور اسی طرح کی آیتیں بلکہ ان سے بھی زیادہ واضح ایک دوسری جگہ بھی وارد ہوئی ہیں، رسول کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

قل لّمن الارض ومن فیھا ان کنتم تعلمون۔ سیقولون للّٰہ قل افلا تذکّرون قل من رّبّ السّمٰوٰت السّبع وربّ العرش العظیم۔ سیقولون للّٰہ قل افلا تتّقون قل من بیدہٖ ملکوت کلّ شیء وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون سیقولون للّٰہ قل فانّٰی تسحرون۔ (المؤمنون ع۵)

آپ کہیے کہ یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ سب کس کے ہیں اگر تم کچھ خبر رکھتے ہو؟ (اس پر) وہ ضرور یہ کہیں گے کہ یہ اللہ کے ہیں، ان سے کہیے کہ پھر تم کیوں غور نہیں کرتے۔ آپ یہ بھی کہیے کہ (ان سات) آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے آپ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ یہ بھی کہیے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تمہیں کچھ بھی خبر ہو؟ اب بھی وہ ضرور یہی یہ کہیں گے کہ یہ سب اوصاف اللہ کے ہیں۔ آپ کہیے کہ پھر یہ تمہیں کیا خبط ہو رہا ہے۔

اور اسی طرح ایک جگہ اور انہیں مشرکوں کی زبان سے اقرار کرایا ہے کہ خالق آسمان و زمین اللہ ہی ہے۔

ولئن سالتهم من خلق السموت والارض ليقولنّ الله۔ (لقمان ع۳)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ بول اٹھیں گے کہ اللہ نے۔

چنانچہ جن آیتوں میں اثبات توحید اور ممانعت شرک پر زور دیا ہے وہاں اکثر یہ بھی بڑھا دیا ہے کہ عبادت کا حقدار بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

فاعبدوالله ولا تشركوا به شيئاً (النساء ع٦)

عبادت اللہ کی کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔

ولا يشرك بعبادة ربه احداً (الکهف ع١٢)

(انسان کو چاہیے کہ) اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

جن کی عبادتوں میں یہ مشرکین عرب لگے رہتے تھے، ان کا وجود خارج میں سرے سے تھا ہی کہاں؟ ان لوگوں نے محض ایک خیالی اور فرضی وجود گھڑ رکھا تھا۔

ماتعبدون من دونه الّا اسمآء سمّيتموها انتم وابآؤكم ماانزل الله بها من سلطٰن (يوسف ع٥)

اور تم اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو وہ تو بس نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔

اس شرک کا ایک خاص مظہر بت پرستی، نام لے کر اس کی ممانعت وارد ہوئی۔

فاجتنبوا الرّجس من الاوثان۔ (الحج ع٤)

بتوں کی پلیدی سے بچو۔

اور یہ اوثان ہی کا لفظ پرانی مشرک قوموں یعنی قوم نوح (عنکبوت ع۲) اور قوم ابراہیم (عنکبوت ع۳) کے حق میں بھی وارد ہو چکا ہے یہ مورتیاں عموماً پتھر کی بنی ہوئی ہوتی تھیں

چنانچہ قرآن مجید میں دو جگہ جو ذکر آتش دوزخ کے سلسلہ میں انسانوں کے ساتھ پتھروں کا آیا ہے۔ ایک جگہ سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳ میں وقودها النّاس والحجارة اور دوسری جگہ انہیں الفاظ کے ساتھ سورۃ التحریم کے رکوع اوّل میں دونوں جگہ پتھر سے مراد پتھر کی تراشی ہوئی مورتیاں ہی ہیں اور ان بڑی مورتیوں میں سے تین کا ذکر نام کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے ایک لات دوسرے عزّیٰ اور تیسرے منات۔

افرائيتم اللّات والعزّى ومناة الثّالثة الاخرى۔ (النجم ع١)

بھلا تم نے نظر نہیں کی ہے لات پر اور عزّیٰ پر اور تیسری اور منات پر۔

تاریخ و سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ یہ تینوں بت عرب کے مشہور پرقوت قبیلوں کے تھے اور قرآن مجید نے قوم نوح کے جن دیوتاؤں کے نام سورہ نوح ع۲ میں گنائے ہیں ود، سواع، یعوق، یغوث، نسر، تاریخوں میں آتا ہے کہ یہ بت جاہلی عربوں کے بھی تھے اور عراق سے آکر عرب میں بھی پجنے لگے تھے۔

اہل جاہلیت کا اپنی صفائی میں کہنا یہ تھا کہ ہم ان بتوں کو کہیں خدا تھوڑے ہی سمجھ رہے ہیں، ہم تو انہیں بارگاہ خداوندی کے لیے محض ایک وسیلہ گردانتے اور انہیں محض شافع یا سفارش کرنے والے مانتے ہیں۔

مانعبدهم الّا ليقرّبونا الى الله زلفىٰ۔ (الزمر ع١)

ہم تو انہیں محض اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ اللہ سے ہمیں قریب کر دیں۔

اللہ یا خدائے اعظم کے لفظی اعتراف و اعتقاد کے ساتھ عمل میں ان مشرکین عرب کا یہ حال تھا کہ اپنی پیداوار اور اپنے جانوروں میں جو حصے لگاتے، ان میں اللہ کے نام والے حصے تو بتوں کی طرف بے تکلف منتقل کر دیتے لیکن یہ نہ کرتے، کہ بتوں والے حصے اللہ کی طرف منتقل کر دیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

وجعلوالله ممّا ذرامن الحرث والانعام نصيبا فقالوا هذا لله بزعمهم

وھذا لشرکآئنا فماکان لشرکآئھم فلا یصل الی اللہ وماکان للہ فھو یصل الی شرکآئھم سآء مایحکمون۔ (الانعام ع ۱۲)

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے اس میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا ہے اور برعم خود کہتے ہیں کہ یہ ہمارے معبودوں کا ہے، پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی ہے اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے کیا بری تجویز ان لوگوں نے نکال رکھی ہے۔

ان مشرکانہ عقائد کا اثر ان مشرکوں کے اعمال اور ساری زندگی پر بھی پڑا تھا اور یہ لوگ طرح طرح کے خرافات واوہام میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک بڑی چیز ان کی عادت اولاد کشی تھی اور کھانے پینے کی چیزوں میں سے فلاں فلاں کا فلاں فلاں طبقہ کے لیے حرام کر لینا تھا۔ قرآن مجید نے اسی سورۃ انعام کی اسی آیت کے متصل ان چیزوں کو بھی ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ شروع کی آیت ہے

وکذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکآئھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم۔ (الانعام ع ۱۲)

اور اسی طرح کثرت سے مشرکین کے خیال میں اپنی اولاد کے ہلاک کر ڈالنے کو ان کے معبودوں نے اچھا بنا رکھا ہے تاکہ ان کو برباد کر دیں اور ان کے دین کو ان کی نظر میں مخبوط کر دیں۔

اور آخری آیت ہے

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم وحرموا ما رزقھم اللہ افترآء علی اللہ قد ضلوا وماکانوا مھتدین۔ (الانعام ع ۱۶)

یقیناً گھاٹے میں آ گئے، جنہوں نے ہلاک کر ڈالا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر

کسی سند کے اور اللہ نے جو کچھ کھانے پینے کو دیا تھا اسے حرام کر لیا اللہ پر جھوٹ باندھ کر۔ بے شک یہ لوگ گمراہ ہو گئے اور راہ یاب نہ ہوئے۔

بت پرستی سے علاوہ یہ مشرکین ملائکہ پرستی میں بھی مبتلا تھے اور ملائکہ کو انہوں نے خدا کی بیٹیاں یا بیویاں ٹھہرا لیا تھا۔ ارشاد ہوا ہے۔

وجعلوا لہ من عبادہ جزءا ان الانسان لکفور مبین ام اتخذ مما یخلق بنات واصفٰکم بالبنین (الزخرف ع ۲)

اور ان مشرکوں نے خدا کے بندوں سے خدا کا ایک جزو ٹھہرا لیا۔ بے شک انسان صریح ناشکرا ہے۔ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اپنے لیے لے لیں اور بیٹوں سے تمہیں معزز کیا۔

اور دوسری جگہ رسول سے خطاب ہے۔

فاستفتھم الربک البنات ولھم البنون ام خلقنا الملٰئکۃ اناثا وھم شاھدون۔ (الصافات ع ۵)

ان مشرکوں سے پوچھیے کہ کیا آپ کے پروردگار کے لیے تو لڑکیاں ہیں اور ان لوگوں کے لیے لڑکے ہیں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیاں پیدا کیا اور یہ لوگ اس کے گواہ تھے۔

ملائکہ پرستی کے علاوہ جنات پرستی بھی ان کے اندر موجود تھی۔

وجعلوا للہ شرکآء الجن وخلقھم۔ (الانعام ع ۱۲)

اور مشرکوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنایا حالانکہ اللہ ہی نے انہیں پیدا کیا ہے۔

جنات کو وہ اللہ کا قرابت دار سمجھتے تھے۔

وجعلوا بینہ وبین الجنۃ نسبا (الصافات ع ۵)

ان مشرکوں نے خدا اور جنات کے درمیان رشتہ داری بنائی ہے۔

آفتاب پرستی اور ماہتاب پرستی کی جو صریح ممانعت قرآن مجید میں آئی ہے۔

لاتسجدوا للشّمس ولا للقمر، (حم السجدہ ع ٥)

نہ سورج کے آگے جھکو اور نہ چاند کے۔

اس سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ معاصر مشرکین عرب اجرام فلکی کی پرستش میں بھی بند تھے۔ شراب، جوا، اور قمار کی مختلف قسمیں اتنی شائع تھیں کہ انہیں سختی سے روکنا پڑا۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجسٌ مّن عمل الشّیطان فاجتنبوہ لعلّکم تفلحون، انّما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضآء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللّٰہ وعن الصّلوۃ فھل انتم منتھون۔ (المائدہ ع ١٢)

بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بتوں کے تھان اور قرعہ کے تیر سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ فلاح پاؤ، شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی تم ان چیزوں سے باز آؤ گے۔

اور سود خواری کو تو جس اہتمام بلیغ سے قرآن نے منع کیا ہے وہ دس دلیلوں کی ایک دلیل ہے اس واقعہ تاریخی کی کہ مشرکین عرب کے معاشرہ میں سود خواری خوب رچی بسی ہوئی تھی۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔

اتّقوا اللّٰہ وذروا مابقی من الرّبوا ان کنتم مّؤمنین۔ (البقرہ ٣٨)

اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو بقیہ سود کو اگر تم (واقعی) مسلمان ہو۔

دوسری جگہ بھی اسی تاکید کے ساتھ

لا تاکلوا الرّبٰوا اضعافًا مضعفۃ واتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون (آل عمران ع ١٤)

سود نہ کھاؤ دونا چوگنا، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

تیسری جگہ اسی شدت کے ساتھ

الّذین یاکلون الرّبٰوا لا یقومون الّا کما یقوم الّذی یتخبطہ الشّیطن۔ (البقرہ ع ٣٨)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو شیطان نے آسیب پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

اور پھر سب سے بڑھ کر

فان لّم تفعلوا فاذنوا بحربٍ مّن اللّٰہ ورسولہٖ۔

اگر تم سود نہیں چھوڑتے ہو تو اشتہار جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول سے۔

اولاد کشی کا مرض بھی (کچھ آج کل کے حالات سے ملتا ہوا۔) معاشی بنیادوں پر خوب پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے علاوہ ان آیتوں کے جو پہلے مذکور ہو چکیں۔ اس کی ممانعت اور اس پر وعید خاص طور پر نازل ہوئی، مثلاً۔

ولاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاقٍ نحن نرزقھم وایّاکم انّ قتلھم کان خطأً کبیرًا۔ (بنی اسرائیل ع ٤)

اور اپنی اولاد کو ہلاک نہ کر ڈالا کرو ناداری کے اندیشہ سے ہم ہی ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کا مار ڈالنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

اس اولاد کشی میں بھی خصوصیت کے ساتھ رواج دختر کشی کا بعض قبیلوں میں تھا۔ ان کے شرمندہ کرنے کا ذکر حشر میں ان سے سوال کے وقت کا کیا گیا۔

واذاالموؤدۃ سئلت بایّ ذنبٍ قتلت، (التکویر)

اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے (حشر میں) سوال ہوگا کہ وہ کس جرم میں مار ڈالی گئی۔

بے حیائی، بے حجابی، بلکہ بے ستری کے عیب بھی عام تھے۔ چنانچہ فاحشہ و فحش کی ممانعت بار بار آئی ہے اور اس قسم کی آیتیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔

ولا تقربو الفواحش ماظهر منها وما بطن۔ (الانعام ع ۱۹)

اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ۔ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

یا مثلاً

قل انّما حرّم ربّی الفواحش ماظهر منها وما بطن۔ (الاعراف ع ٤)

آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے تو بس بے حیائیوں کو حرام کر دیا ہے۔

خواہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

اور زنا کے لیے جو ہر جاہلی تمدن کی طرح اس عرب تمدن میں عام تھا۔ یہ تہدیدی حکم نازل ہوا۔

ولا تقربوا الزنا انّهٗ كان فاحشة وساۤء سبيلاً۔ (بنی اسرائیل ع ٤)

اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، بے شک وہ بے حیائی ہے اور ایک بری راہ بھی۔

یہ دستور یہ بھی جاری تھا، کہ خوشحال لوگ اپنی باندیوں کے جسم کو کرایہ پر چلاتے تھے وحی محمدی سے کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ ارشاد ہوا۔

ولا تكرهوا فتيٰتكم على البغآء۔ (النور ع ٤)

اور اپنی باندیوں کو حرام کاری پر مجبور نہ کرو۔

کہیں کہیں عورتوں کو وراثت کا مال سمجھ کر خود ان پر بھی قبضہ کر لیا جاتا تھا حکم آیا کہ ایسا ہرگز درست نہیں۔

لایحلّ لكم ان ترثوا النّسآء كرهًا (النّساء ع ۳)

تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن جاؤ۔

یہ بھی ایک دستور تھا، کہ اپنی حقیقی ماں کے سوا اور جو عورتیں باپ کے عقد میں ہوتی تھیں۔ انہیں مال وراثت سمجھ کر انہیں اپنی بی بی بنایا جاتا تھا۔ یہ رسم بھی حکماً مٹائی گئی۔

ولا تنكحوا ما نكح اٰبآؤكم من النّسآء الا ما قد سلف انهٗ كان فاحشة ومقتاً وساۤء سبيلاً۔ (نساء ع ۲)

اور تم عورتوں سے عقد مت کرو جن سے تمہارے باپ عقد کر چکے ہوں مگر ہاں جو ہو چکا ہو چکا، بے شک یہ بڑی بے حیائی اور نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔

عورتوں، مردوں کا آزادانہ میل جول اور اختلاط، اور لباس میں بے احتیاطی اور بدنظری، آج کل کی تہذیب و تمدن کی طرح عام تھیں۔ ان سب پر طرح طرح کی پابندیاں لگائی گئیں اور حد بندیاں عائد کی گئیں۔ ارشاد ہوا۔

قل للمؤمنين يغضّوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ذٰلك اركٰى لهم۔ (النور ع ٤)

اے پیغمبر مومنوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔

اور عورتوں کے حق میں اس سے کہیں زیادہ پابندیاں بڑھا کر ارشاد ہوا کہ

وقل للمؤمنٰت يغضضن من ابصارهنّ ويحفظن فروجهنّ ولا يبدين زينتهنّ الّا ماظهر منها وليضربن بخمرهنّ على جيوبهنّ ولا يبدين زينتهنّ الّا لبعولتهنّ (النور ع ٤)

اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ بجز اس کے جو اس میں سے کھلا ہوا ہے اور اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال رکھیں، اور اپنی زینت ظاہر ہونے نہ دیں بجز اس کے کہ اپنے شوہروں پر۔

ان قریبی رشتوں کے نام بھی اس آیت میں آگے درج ہیں۔ رسالت محمدی کو جو معاشرہ تیار کرنا تھا۔ اس میں بہ خلاف معاشرہ جاہلی کے یہ ساری قیدیں ضروری تھیں، چنانچہ

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ

ولا یضربن بارجلھن لیعلم مایخفین من زینتھن۔ (النور ع ٤)

اور عورتیں زمین پر بھی اپنے پیر نہ ماریں کہ جس سے وہ زینت جسے وہ چھپاتی ہیں، ظاہر ہو جائے۔ بلکہ ازواج نبی اور بنات نبی کے علاوہ عام مومنات کے لیے بھی یہ قاعدہ نافذ ہو گیا کہ

یدنین علیھن من جلابیبھن (الاحزاب ع ٨)

اپنے اوپر چادریں لٹکائے رہیں۔

ایک جامع آیت میں آپ کو یہ بتادیا کہ عورتیں جب آپ کی خدمت میں بیعت اسلام کے لیے حاضر ہوں تو آپ ان سے بیعت فلاں فلاں امور کے لیے لیں۔

یاایھا النبی اذا جآءك المؤمنت یبایعنك علی ان لایشرکن باللہ شیئًا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتانٍ یفترینه بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینك فی معروفٍ فبایعھن۔ (الممتحنه ع ٢)

اے نبی جب مومنات آپ کے پاس ان امور پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کا شریک کسی شے کو نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اولاد کو ہلاک کر ڈالیں گی اور نہ اپنی بہتان کی رو داد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنالائیں اور نہ مشروع باتوں میں آپ کے خلاف کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجیے۔

اور عورت کی عام حالت اس جاہلی معاشرہ میں یہ تھی کہ لڑکی کا وجود باپ کے لیے باعث ننگ و کدورت تھا اور اس کے لیے ایسی شرم کی چیز تھی کہ وہ ہر طرف منہ چھپائے پھرتا تھا۔ قرآن مجید عربی معاشرہ کا نقشہ یوں کھینچتا ہے

واذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھه مسودًا وھو کظیمٌ یتواری من القوم من سوء مابشر به یمسکهٗ علی ھونٍ ام یدسهٗ فی التراب۔ (نحل ع ٧)

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے وہ اس خبر کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ اسے ذلت کے ساتھ قبول کرے یا زندہ زمین میں دفن کر دے۔

جاہل عرب کے عقائد اور اخلاق و معاملات کی دنیا میں تو یہ اندھیر مچا ہوا تھا ہی عبادات کے عالم میں بھی یک سر جہالت و جاہلیت ہی کار رواں تھا۔ کعبہ کو واجب التعظیم اور اس کے زائرین کی خدمت کو اپنے لیے باعث فخر و سعادت یہ لوگ بھی اپنے لیے سمجھتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ کے رکوع ٣ کی آیت اجعلتم سقایة الحاج وعمارة المسجد الحرام سے ظاہر ہو رہا ہے لیکن ان کی عبادت کا طریقہ کیا تھا؟ خانہ کعبہ کے گرد سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا۔

وما کان صلاتھم عند البیت الا مکآءً و تصدیه۔ (الانفال ع ٤)

ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا پاس نہیں کیا بجز سیٹیاں بجانے اور تالیاں بجانے کے۔

بلکہ اس عبادت کے وقت تو ان جاہلیوں کو رفع برہنگی اور لباس ساتر کی بھی پرواہ نہ تھی اور اس لیے قرآن مجید نے تاکید کی کہ

یابنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجدٍ (الاعراف ع ٣)

اے بنی آدم تم مسجد میں حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔

اور مسلمانوں کی عبادت پر تو یہ لوگ اہل کتاب کے ساتھ مل کر مضحکہ و استہزاء ہی کرتے رہتے۔

واذا نادیتم الی الصلوۃ اتخذوھا ھزوًا ولعبًا۔ (مائدہ ع ٩)

اور اے مسلمانو! جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو یہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں۔

مشرکین عرب کے بنیادی عقائد کے سلسلہ میں ان کی اعتقادی زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی عملی، معاشرتی، اخلاقی زندگی کا بھی ذکر آ گیا، لیکن شرک جلی کی یہی ایک قسم ان میں رائج نہ تھی۔ بعض کے عقائد کے ڈانڈے دہریت کی سرحدوں سے چھو جاتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ما هی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدهر. (الجاثیه ع ۲)

کوئی اور زندگی نہیں ہے بجز اس دنیوی زندگی کے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں کوئی نہیں مارتا بجز زمانہ کے۔

یعنی کوئی خالق باارادہ موجود نہیں، جو کچھ بھی ہوتا ہے، مادی حیثیت سے زمانہ ہی کے الٹ پھیر سے ہوتا رہتا ہے اور آخرت کی جزا و سزا سے انکار تو ان کے ہاں عام تھا اور جو خدا کے کسی درجہ قائل بھی تھے وہ بھی اس کے قائل بہر حال نہ تھے کہ موت کے بعد کسی اور عالم میں جانا اور وہاں کسی حاکم سے سابقہ پڑتا، اور کسی مالک کے حضور میں جانا ہے، یہ علانیہ کہتے۔

ان هی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین. (الانعام ع ۳)

کہ زندگی تو بس یہی دنیا ہی کی ہے اور ہم بعد کو اٹھائے جانے کے نہیں۔

انکار آخرت کے اقوال قرآن مجید نے ان لوگوں کی زبان سے اس کثرت سے نقل کیے ہیں کہ معلوم ایسا ہونے لگتا ہے کہ شاید انکار توحید سے بھی بڑھ کر یہ لوگ انکار آخرت میں سخت تھے اور یہ بات ان کی سمجھ میں کسی طرح نہیں آ رہی تھی کہ اس حیات مادی کے بعد ایک اور عالم ابھی ہے، جہاں اس زندگی کے اعمال کی پرسش ہوگی، ان پچاسوں بلکہ شاید سینکڑوں اقوال سے صرف دو چار بطور نمونہ نقل ہو جانے کافی ہوں گے۔

یقولون ءانا لمردودون فی الحافرة ءاذا کنا عظاما نخرة

قالوا تلك اذا کرة خاسرة. (النازعات ع ۱)

کہتے ہیں کہ ہم پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ پھر واپس ہوں گے کہتے ہیں کہ اس صورت میں یہ واپسی بڑے خسارہ کی ہوگی۔

اور جنات کی زبان سے ہے۔

انهم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث الله احدا. (الجن ع ۱)

اور جیسا تم جنات نے خیال کر رکھا تھا، ویسا ہی ان انسانوں نے بھی خیال کر رکھا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

اور پھر ایک جگہ منکرین کا قول نقل کیا ہے۔

هذا شیء عجیب ءاذا متنا وکنا ترابا ذلك رجع بعید. (ق ع ۱)

یہ تو عجیب بات ہے کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا تو بہت ہی بعید ہے۔

پیمبر کی اس تذکیر آخرت پر بڑی حیرت سے یہ لوگ آپس میں کہتے ہیں۔

هل ندلکم علی رجل ینبئکم اذا مزقتم کل ممزق انکم لفی خلق جدید افتری علی الله کذبا ام به جنة. (السباء ع ۱)

ہم تم کو ایسا آدمی بتائیں، جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے۔ اس شخص نے یا تو خدا پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے کسی طرح کا جنون ہے۔

اتنے ہی قول بالکل کافی ہیں، ورنہ اگر سارے قول منکرین آخرت کے نقل ہوں مع ان جوابات کے، جو قرآن مجید نے رسول اللہ کی زبان سے ادا کر دیے ہیں تو مقالہ اپنے حدود سے گزر کر ایک مستقل رسالہ کی ضخامت اختیار کر جائے۔

انہیں مشرکین میں ایک بہت بڑا فرقہ ایسا بھی تھا۔ جو گو خدا اور خدائے اعظم کا قائل کسی حد تک تھا۔ لیکن وحی الٰہی اور نبی کے ذریعہ سلسلہ ہدایت کا یکسر منکر تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ تو آجاتا تھا کہ خدا کے اوردو ہے یا کہ خدا نخواستہ انسانی قالب اختیار کر کے دنیا میں آ گیا لیکن یہ کسی طرح بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خدا نے ایک بشر کو ذریعہ ہدایت بنا کر بھیجا اور اسے مرضیات الٰہی کے تمام نکتے اور طریقے بتا دیئے یہ لوگ بگڑ کر کہتے۔

ابشرٌ یّهدوننا۔ (التغابن ع ۱)

ہماری ہدایت کو بشر آتے ہیں۔

اور کبھی یہ کہ۔

ابعث الله بشرًا رّسولًا (بنی اسرائیل ع ۱۱)

کیا خدا نے رسول ﷺ بنا کر بشر کو بھیجا ہے؟

کبھی آپس میں پیغمبر کے حق میں سرگوشیوں میں کہتے۔

هل هذا الّا بشرٌ مّثلکم (انبیاء ع ۱)

یہ تو بس تم ہی جیسا ایک بشر ہے۔

اور کبھی آپ ﷺ کے لوازم بشریت کو آپ کے خلاف بطور دلیل کے پیش کرتے۔

مال هذا الرّسول یاکل الطّعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیه ملكٌ۔ (الفرقان ع ۱)

اس پیغمبر کو کیا ہوا کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا۔

اور چونکہ بشر پر وحی آنا، ان لوگوں کے دماغ کوتاہ میں بشریت کے منافی تھا، اس لیے یہ لوگ قدرۃً تکذیب رسول پر مجبور تھے اور کبھی یہ کہتے کہ آپ مجنون ہیں۔

وقالوا یاایّها الذی نزّل علیه الذّکر انّك لمجنون۔ (الحجر ع ۱)

اور ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے، تم تو مجنون ہو۔

کبھی کہتے

ام به جنّةٌ (السبا ع ۱) انہیں کیا کچھ جنون ہے۔

قرآن سے خود ان کے متعلق ہو گیا ہے۔

ام یقولون به جنّة (المومنون ع ٤)

کیا یہ لوگ آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں؟

کبھی ان کی تشخیص وتجویز میں آپ ﷺ خیالی مضمون باندھنے والے اور موثر عبارت میں ادا کرنے والے شاعر ٹھہرتے اور آپ کی وحی قرآنی ایک خواب پریشان اور آپ کی گڑھی ہوئی قرار پاتی۔

بل قالوا اضغاث احلامٍ بل افتراهُ بل هو شاعرٌ (الانبیاء ع ۱)

دوسری جگہ قرآن نے کہا ہے۔

ام یقولون شاعرٌ نتربص به ریب المنون۔ (الطور ع ۲)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو شاعر ہیں جن کے بارے میں ہم حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

اور کبھی شاعری کے ساتھ دیوانگی کا بھی اضافہ کر دیتے

ویقولون ائنّا لتارکوا اٰلهتنا لشاعرٍ مّجنون۔ (الصافات ع ۲)

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے دیوتاؤں کو ایک شاعر دیوانہ کی خاطر چھوڑ دیں؟

اور کبھی اسے ظاہر بیں ترکی مضمون تو یوں ادا کرتے۔

وقد جآءهم رسولٌ مّبینٌ ثمّ تولّوا عنه وقالوا معلّمٌ مّجنون۔

بے شک ان کے پاس ایک کھلا ہوا پیغمبر آ چکا پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔ (الدخان ع ۱۱)
شاعری اور جنون کے ساتھ ایک تیسری تشخیص سحرزدگی کی بھی تھی۔

قال الظّٰلمون ان تتّبعون الّا رجلاً مسحورًا. (الفرقان ع ۱)
یہ ظالم لوگ (آپس میں) کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحرزدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔
اور یہی مضمون ایک دوسری جگہ

اذھم نجوی اذیقول الظّٰلمون ان تتبعون الّا رجلاً مسحورًا.
(بنی اسرائیل ع ۵)
(ہم خوب جانتے ہیں) جس وقت یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب کہ یہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحرزدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔
اور کبھی آپ ﷺ کی نسبت سحروکہانت کی جانب کرتے جو ان کی دانست میں دو زبردست اور مؤثر فن، غیب سے تعلق رکھنے والے تھے قرآن مجید کو اس کی صاف صاف تردید کرنا پڑا اور کہنا پڑا۔

وما ھو بقول شاعرٍ (الحاقہ ع ۱) یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔
اور

وما ھو بقول کاھنٍ (الحاقہ ع ۱) یہ کسی کاہن کا کلام نہیں۔
یہ باہم خود بھی کبھی کسی ایک بات پر جمتے نہ تھے اور قرآن نے انہیں مخاطب کر کے صاف کہہ دیا کہ

انّکم لفی قولٍ مّختلفٍ یؤفک عنه من افك. (الذاریات ع ۱)
تم لوگ مختلف گفتگو میں پڑے ہوئے ہو اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا

مقدر ہوتا ہے۔
اور ان کے خرافات کے الگ الگ بھی جوابات دیئے اور ان کی ایک ایک غلط بیانی کی تردید کی۔ مثلاً

وما صاحبکم بمجنونٍ (التکویر)
اور یہ تمہارے رفیق دیوانے نہیں ہیں۔

اور

وما انت بنعمة ربّك بمجنونٍ (القلم ع ۱)
تو آپ اپنے پروردگار کے فضل سے نہ کاہن ہیں نہ دیوانے۔
قرآن کے اثر سے ان منکرین و معاندین کے لیے بھی انکار ممکن نہ تھا۔ مشاہدہ کی چیز تھی قرآنی اثر کی گہرائی اور وسعت دونوں یہ براہ راست مشاہدہ ہی کرتے رہتے تھے اس لیے رائے آخر یہ ہوتی کہ ہو نہ ہو یہ قرآن انہوں نے دل سے گھڑ لیا ہے اور ان کی مدد و اعانت پر ایک پوری جماعت بھی ہے۔

ان ھذا الّا افك افتراہ واعانه علیه قومٌ اٰخرون. (الفرقان ع ۱)
یہ قرآن تو نری ایک گھڑنت ہے جس کو اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور ایک اور جماعت نے اس میں ان کی مدد کی ہے۔
پھر آپ کے وصف امیت سے بھی چونکہ یہ لوگ براہ راست واقفیت رکھتے تھے اس واسطے یہ کہتے کہ یہ اگلوں کی خرافاتی حکایات انہوں نے کسی سے لکھوا رکھی ہیں اور وہ انہیں صبح و شام پڑھ کر سنا دی جاتی ہیں۔

وقالوا اساطیر الاوّلین اکتتبھا فھی تملٰی علیه بکرةً واصیلاً.
(الفرقان ع ۱)
اور کبھی یہ دور کی کوڑی لاتے، کہ یہ تو فلاں شخص نے انہیں سکھا پڑھا رکھا ہے۔

ولقد نعلم انهم یقولون انما یعلمهٗ بشرٌ (النحل ع ۱۴)

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کو ایک بشر نے انہیں سکھا دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید ان لوگوں کے خیال میں اور آج کے بہت سے روشن خیال فرنگیوں کے خیال کے مطابق ایک گڑھا ہوا کلام تھا۔

وقالوا ماهذا الا افك مفترى (السباء ع ۵)

اور یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو بجز ایک گڑھے ہوئے بہتان کے کچھ نہیں۔

بلکہ ان مشرکوں کے ایک رئیس و سردار نے ایک بار بڑے سوچ بچار کے بعد اپنا فیصلہ یہ سنا دیا تھا کہ

فقال ان هذا الا سحرٌ يؤثر ان هذا الا قول البشر (المدثر ع ۲)

یہ تو ایک جادو ہے۔ جو قدیم سے چلا آ رہا ہے اور یہ تو نرا ایک بشر کا کلام ہے۔

قرآن مجید نے شافی جواب ان میں سے ہر خرافات کا دیا ہے۔ یہاں ان جوابات سے بحث نہیں یہاں تو دکھانا صرف یہ ہے کہ جس قوم کی براہ راست اور اصلاً اصلاح کے لیے رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔ اس کی اعتقادی، عملی، اخلاقی زندگی کا نفسیاتی پس منظر کیا تھا اور اس نے آپ ﷺ کے پیام کی پذیرائی کس طرح کی۔

شرک میں ڈوبی ہوئی قوم کی ناخوشی کی اصل بنیاد یہ تھی کہ یہ پیامبر جو کلام سناتے ہیں اس میں ذکر سارے دیوی دیوتاؤں اور چھوٹے بڑے خداؤں کو چھوڑ کر نام صرف اللہ ہی کا کیوں لیے جاتے ہیں۔ اور دعوت اس اکیلے معبود کے ماننے کی کیوں دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے انہیں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

واذا دعی الله وحدهٗ كفرتم وان يشرك به تؤمنوا (المومن ع ۲)

جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو تم انکار کرتے ہو اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا ہے تو تم مان لیتے ہو۔

صرف اللہ کے نام سے یہ شعور و شرکت دوسرے معبودوں کے نہ تھی اصل صدا اس سے تھی کہ اس اللہ کی وحدت پر اصرار کیوں کیا جاتا ہے۔ اور پھر ارشاد ہوتا ہے۔

واذا ذكر الله وحده اشمأزت قلوب الذين من دونه اذا هم يستبشرون۔ (الزمر ع ۵)

اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہونے لگتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اسی وقت یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

اور ایک جگہ پھر یہی شہادت قرآن پیش کرتا ہے۔

واذا ذكرت ربك فى القرآن وحدهٗ ولوا على ادبارهم نفورًا (بنی اسرائیل ع ۵)

اور آپ جب قرآن میں صرف اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو یہ لوگ پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔ نفرت کرتے ہوئے۔

ایسی قوم کو داعی توحید سے نفرت و عداوت ہو جانا لازمی تھا اور قرآن مجید نے امت محمدی کو حق جب تک کے سب بھی دیا تھا کہ اہل کتاب کے علاوہ ان مشرکوں سے بھی تمہاری بہت دل آزاری ہونا ہے۔

ولتسمعن من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم ومن الذين اشركوا اذًى كثيرًا (آل عمران ع ۱۹)

اور تم ضرور سنو گے بہت سی دل آزاری کی باتیں ان سے بھی جنہیں تم سے قبل کتاب مل چکی ہے اور ان سے بھی جو مشرک ہیں۔

مکی سورتوں میں ذکر کثرت سے المشرکین کا اور الذین اشرکوا کا، یا مطلق سورت میں الذین کفروا کا یا الکفار کا اور الکفرون کا آتا ہے یا پھر ان سے بھی مطلق تر صورت میں ناس کا آتا ہے، لیکن مدنی سورتوں میں یہ مخاطبت و تذکرات اھل الکتاب یا الذین اوتوا الکتاب سے بدل گئی ہے۔

اہل کتاب سے آپ ﷺ کا سابقہ مدینہ میں آکر پڑا اور اہل کتاب سے مراد عموماً یہودی ہیں، گو کہیں کہیں نصرانی بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں، قیام مکہ میں جب تک سابقہ صرف مشرکین یعنی منکرین توحید و آخرت سے رہا، اعتراضات کی نوعیت دوسری رہی قیام مدینہ کے بعد دوسری ہو گئی۔ اس لیے کہ یہ لوگ توحید اور سلسلۂ نبوت کے لفظاً قائل تو بہرحال تھے۔ آپ ﷺ نے آتے ہی اہل کتاب کو صلح و آشتی کا پیغام قرآن کی زبان سے اور اس کے حکم کی تعمیل میں دے دیا تھا اور اس قسم کی آیتیں بار بار تلاوت فرما دی تھیں۔

قل یآاھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولانشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ۔ (آل عمران ع ۷)

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسے قول کی طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو کسی کا

شریک نہ ٹھہرئیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا) رب بجز اللہ کے نہ ٹھہرائے۔

دراس حقیقت کو بار بار دہرایا کہ جو کتاب میں لے کر آیا ہوں یہ تو عین تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے کہیں اس کتاب کو۔

مصدقًا لما معهم (البقرہ ع ۱۱)

جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنیوالی۔

ارشاد فرمایا گیا اور کہیں

هو الحق مصدقًا لما معهم (بقرہ ع ۱۱)

یہ تو عین حق ہے (اور) جو کچھ ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والی۔

اور کہیں

مصدقًا لما بين يديه من الكتاب (المائدہ ع ۷)

اپنے سے پیش رو کتاب کی تصدیق کرنے والی۔

اور کہیں

مصدق الذی بين يديه۔ (المائدہ ع ۱۱)

اپنے سے پیش رو کی تصدیق کرنے والی۔

وغیرہا اور کہیں بجائے صیغہ غائب کے صیغہ مخاطب میں۔

مصدقًا لما معكم۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والی۔

اور کہیں کتاب کی بجائے خود صاحب کتاب یعنی رسول ﷺ ہی کو اصالۃً کتب سابقہ کا مصدق کہہ کر پیش فرمایا گیا ہے۔

رسولٌ مّن عند الله مصدقٌ لما معهم۔ (بقرہ ع ۱۲)

یہ خدا کی طرف سے رسول ہیں تصدیق کرنے والے اس کے جو کچھ تمہارے پاس ہے۔

یا **رسولٌ مصدقٌ لما معكم (آل عمران ع ۹)**۔ رسول تصدیق کرنے والے اس

کے جو کچھ تمہارے پاس ہے۔

وقس علی ہذا اور کہیں کہیں نام کی صراحت کے ساتھ یہ ذکر فرمایا گیا کہ توریت و انجیل خدا کی کتابیں ہیں۔ قرآن مجید کی پیش رو اور اپنے مخاطبین کے لیے سرمایہ ہدایت و رحمت۔

مثلاً

وانزل التورة والانجيل من قبل هدى للناس۔ (آل عمران ع ۱)

اور اللہ نے اتاری توریت و انجیل اس سے قبل لوگوں کی ہدایت کے لیے۔

یا

وآتينا موسى الكتاب وجعلنا هدى لبنى اسرائيل (بنی اسرائیل ع ۱)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا۔

یا پھر

انا انزلنا التورة فيها هدى ونورٌ۔ (المائدہ ع ۷)

بے شک ہم نے اتاری توریت جس میں ہدایت اور نور تھے۔

اسی طرح مکرر

ومن قبله كتاب موسى امامًا ورحمةً۔ (ھود ع ۲۔ احقاف ع ۲)

اور اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب جو رہنما اور ایک رحمت ہے۔

علیٰ ہذا یہ آیت بھی۔

وآتيناه الانجيل فيه هدى ونورٌ ومصدقًا لما بين يديه من التورة وهدى وموعظةً للمتقين۔ (المائدہ ع ۷)

اور ہم نے (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور جو تصدیق کرتی ہے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی توریت کی اور جس میں ہدایت و نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔

اور پھر اسی سلسلہ میں یہ آیت بھی۔

ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ۔ (المائدہ ع ۷)

اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں اتارا ہے۔ فیصلہ اس کے مطابق کریں۔

لیکن اس ساری رواداری اور مصلحت کوشی کے باوجود ان گروہوں کا رویہ غیر دوستانہ اور نامصالحانہ ہی رہا، یہ بات بظاہر عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس رویہ میں کوئی بات خلاف توقع نہ تھی۔ صدیوں کے بگاڑ نے ان طبیعتوں کو مسخ کر کے رکھ دیا تھا اور عقائد و اعمال دونوں ان کے اس قسم کے ہو گئے تھے کہ دعوت اسلامی کی زد یہ لوگ براہ راست اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔

یہود ایک دینی اور مذہبی اصطلاح ہے۔ قومی اور نسلی نام ان لوگوں کا بنی اسرائیل تھا۔ بڑا غرہ ان کو اپنی عالی نسبی اور پیمبرزادگی پر تھا۔ گناہ کی جو منزل بھی ان کے سامنے آجاتی بلا تامل اس پر گامزن ہو جاتے اور سمجھتے کہ معاف تو بہرحال ہم ہو ہی جائیں گے۔

قرآن مجید نے یہ منظر کشی یوں کی ہے۔

یاخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفرلنا وان یاتھم عرضٌ مثلہٗ یاخذوہٗ (الاعراف ع ۲۱)

یہ لوگ مال متاع اس دنیا کا لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ضرور ہو جائے گی اور اگر ایسی ہی مال متاع پھر آجائے تو اسے بھی لے لیں۔

اور کبھی اپنی پیمبرزادگی کے فخر و پندار میں مبتلا ہو کر کہنے لگتے، کہ

لن تمسّنا النّار الّا ایامًا معدودۃ (البقرہ ع ۹)

ہم کو گنتی کے چند روز کے (دوزخ کی) آگ تو ہمیں چھوئے گی ہی نہیں۔

ایامًا معدودات (آل عمران ع ۳)

اور اس قسم کی ساری خوش فہمیاں اس بنا پر تھیں کہ انہوں نے بیہودہ عقیدے بھی خود ہی گھڑ رکھے تھے۔

وغرھم فی دینھم ماکانوا یفترون۔ (آل عمران ع ۳)

اور دین کے بارہ میں ان کے گھڑے ہوئے عقیدوں ہی نے تو انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

اپنے علماء و مشائخ کی تعظیم و تکریم میں غلو کر کے عملاً اسے پرستش کا درجہ دے رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ ان سے کسی قسم کی غلطی و لغزش کا امکان ہی نہیں۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ (التوبۃ ع ۵)

ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے عالموں اور مشائخوں کو بھی خدا بنا کر ٹھہرا لیا ہے۔

جنت یا آسمانی بادشاہت میں، خود کو یہ اپنی قوم کے ساتھ مخصوص سمجھ چکے تھے۔ قرآن مجید نے اس پر جرح کی اور ان سے حجت طلب کی تو یہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے ارشاد ہوتا ہے۔

وقالوا لن یدخل الجنۃ الّا من کان ھودًا او نصاری تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین (البقرہ ع ۱۳)

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی جانے بھی نہ پائے گا یہ ان کی اپنے دل کی آرزوئیں ہیں۔ آپ ان سے کہیے کہ اپنی دلیل تو پیش کرو۔ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

معاصر یہود باوجود ادعائے دینداری دنیا پرستی میں اوپر سے لے کر نیچے تک ڈوبے ہوئے تھے۔ رسول کی زبان سے انہیں کہا گیا کہ عالم آخرت کو اپنے ہی لیے مخصوص سمجھتے ہو تو پھر موت کی تمنا کر دیکھو۔ لیکن تمنا یہ لوگ کرتے تو کیسے کرتے حب دنیا میں سرتاپا

خرق جو تھے۔

قل ان کانت لکم الدار الاخرة عند الله خالصة من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صدقین ولن یتمنوه ابدًا بما قدمت ایدیهم والله علیمٌ بالظّلمین۔ (البقرہ ع۱۱)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر دار آخرت مخصوص تمہارے ہی لیے ہے۔ بغیر اوروں کی شرکت کے تو تم موت کی تمنا کر کے دکھلا دو اگر تم سچے ہو اور یہ ہرگز اس کی تمنا کبھی بھی نہ کریں گے بہ سبب ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور اللہ کو خوب علم ہے ان ظالموں کا۔

قبول حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اور ان کے قلب سب بند تھے اور یہ فخریہ کہتے تھے۔

قالوا قلوبنا غلفٌ (البقرہ ع۱۱)

یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔

یہود و نصاریٰ دونوں نسلی مفاخرت کے مرض میں بری طرح مبتلا تھے اور خدا کے ساتھ اپنا محض رشتہ سمجھے ہوئے تھے۔

وقالت الیهود والنصاری نحن ابناء الله واحباؤه (المائدہ ع۳)

یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کے خاص فرزند اور اس کے محبوب ہیں۔

رسول ﷺ کی شناخت میں یہ نہیں کہ انہیں کوئی بھی دھوکا ہو گیا ہو جان بوجھ کر محض اپنی بدنفسی سے رسول ﷺ کی صداقت کا انکار کر رہے تھے۔

فلما جاء هم ما عرفوا کفروا به فلعنة الله علی الکفرین (البقرہ ع۱۱)

پھر جب ان کے پاس وہ چیز آ پہنچی جسے یہ پہچانتے ہیں تو یہ اس کا انکار کر بیٹھے۔ سو اللہ کی مار ہو ایسے منکروں پر۔

علامتوں سے تو یہ رسول اللہ ﷺ کو اس طرح پہچان چکے تھے۔ جیسے اپنی قوم والوں کو پہچانتے تھے محض ضد اور نفسانیت قبول حق کی راہ میں حائل ہو گئی۔

الذین اتینٰهم الکتٰب یعرفونه کما یعرفون ابناء هم۔

جن لوگوں کو (پہلے) کتاب آسمانی مل چکی ہے، وہ ان (رسول) کو ایسا پہچانتے ہیں، جیسا اپنے ہی (قوم کے) فرزندوں کو۔ (البقرہ ع۱۷)

ان کے کاروشیوخ جن کی تقلید و اقتدا میں یہ مرے جاتے ہیں۔ ان کی خود یہ حالت تھی کہ ہر طرح کی زراندوزی اور باطل پرستیوں میں مبتلا تھے۔

وان کثیرًا من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل الله۔ (التوبة ع۵)

بے شک ان (اہل کتاب) کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کے مال ناحق طور پر کھاتے اور راہ خدا سے لوگوں کو روکتے رہتے ہیں۔

یہود جس درجہ کی دنیا پرستی میں مبتلا تھے، قرآن مجید نے اسے بار بار چیلنج کیا ہے، ایک دو آیت اس مضمون کی ابھی آپ سن چکے ہیں۔ اب دو ایک آیتیں اور ملاحظہ ہوں۔

قل یاایها الذین هادوا ان زعمتم انکم اولیاء لله من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صدقین ولا یتمنونه ابدا بما قدمت ایدیهم والله علیم بالظلمین۔ (الجمعہ ع۱)

اے پیمبر! آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو جو یہودی ہو چکے ہو اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم خدا کے چہیتے ہو دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر تو اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ۔ لیکن تم یہ تمنا کبھی نہ کر سکو گے بہ سبب ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہو اور اللہ خوب واقف ہے (ایسے) ظالموں سے۔

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہودی ضمیر خود اپنے تئیں مجرم سمجھ رہا تھا اور ان کا روز انکار نبوت محمدی سے ہرگز کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر نہ تھا۔

اور ایک جگہ اور انہیں یہود کے سیاق میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولتجدنهم احرص الناس على حياة ومن الذين اشركوا يود احدهم لو يعمر الف سنة وما هو بمزحزحه من العذاب ان يعمر والله بصير بما تعملون. (البقرہ ع ۱۱)

اور آپ انہیں زندگی کا حریص اور آدمیوں سے بڑھ کر پائیں گے مشرکوں سے بھی (بڑھ کر) ان میں سے ہر ایک اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار سال کی ہو، حالانکہ یہ امر کہ (اتنی) عمر ہو جائے عذاب سے تو بچا سکتی نہیں اور اللہ کے سب پیش نظر ہیں ان کے اعمال۔

اس سے زیادہ تصریح اس حقیقت کی کیا ہوگی کہ معاصر یہودیوں کی دنیا پرستی مشرکین تک سے بڑھی ہوئی تھی ورنہ اتنا ہی نہیں۔ بلکہ قرآن کی روشنی میں تو یہ صاف نظر آجاتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی کر رہے تھے، سب بربنائے حسد اور نفسانیت سے مغلوب ہو کر۔

بئسما اشتروا به انفسهم ان يكفروا بما انزل الله بغيا ان ينزل الله من فضله على من يشاء من عباده فباءو بغضب على غضب. (البقرہ ع ۱۱)

بری ہے وہ حالت جس میں پڑ کر وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں۔ یعنی انکار کرتے ہیں اس چیز کا جو اللہ نے نازل فرمائی محض اس ضد پر کہ اللہ اپنے فضل سے جس بندہ پر چاہے اسے نازل فرمائے۔ سو یہ لوگ مستحق ہو گئے غضب بالائے غضب کے۔

اور یہ بغیا بینہم، یعنی آپس کی ضد ضدا کا لفظ قرآن مجید بار بار ان لوگوں سے متعلق لایا ہے اور خود اس آیت میں تو یہ صاف ہے کہ یہ لوگ جو ایمان نہیں لا رہے ہیں تو محض رشک، حسد کی بنا پر اور عناد کی بنا پر حاصل ہوئی یہ تھی کہ یہ لوگ امر نبوت کا مستحق صرف اپنی قوم اسرائیلیوں کو سمجھتے تھے اور انہیں اس کا حسد تھا کہ یہ نعمت اس کی قوم سے نکل کر ایک عرب اسمٰعیلی کو کیسے مل گئی۔ قرآن مجید نے حسداً من عند انفسهم کے عنوان کی اس خاص ذہنیت کی بھی پردہ دری کی ہے۔

ام يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله. (النساء ع ۸)

کیا یہ لوگ ان لوگوں سے حسد کرتے رہتے ہیں جنہیں اللہ نے اپنے فیض سے نوازا ہے؟

یہ اپنی آسمانی کتابوں میں کھلی کھلی تحریف کر چکے تھے اور ان کی جسارتیں یہاں تک بڑھ گئی تھیں کہ اپنی مرضی و مصلحت کے مطابق جو چاہتے ان خدائی صحیفوں میں گھٹا بڑھا دیتے قرآن مجید نے یہ جرم ان پر ایک بار نہیں بار بار عائد کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون. (البقرہ ع ۹)

ان ہی میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ جو کلام الٰہی کو سنتے تھے اور پھر اس کے سمجھ لینے کے پیچھے اس میں تحریف کر ڈالتے تھے اور وہ یہ جانتے بھی تھے۔

اور اسی کے چند سطروں بعد ارشاد ہوا ہے

فويل للذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا فويل لهم مما كتبت ايديهم وويل لهم مما يكسبون. (البقرہ ع ۹)

بڑی ہی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے۔ پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کرلیں۔ سو بڑی ہی خرابی آئے گی ان کو اس کی بدولت جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہوگی ان کو اس کے بدولت جسے وہ وصول کیا کرتے تھے۔

اور یہاں سے یہ بھی صاف ہوگیا کہ اس تحریف سے مقصود تمام تر حصول دنیا ہی ہوتا۔ اسی دنیا کی کوئی مصلحت یا منفعت، ایک اور نقشہ ان کی اسی جسارت دنیوی اغراض کے لیے بیان کا ملاحظہ ہو۔

وانّ منهم لفريقًا يلوون السنتهم بالكتاب لتحسبوه من الكتاب وما هو من الكتاب، ويقولون هو من عند الله وما هو من عند الله ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون۔ (آل عمران ع۸)

اور ان اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (کے پڑھنے) میں تاکہ تم لوگ اس کو کتاب کا جزو سمجھو۔ حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہے حالانکہ وہ خدا کے پاس سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں دراںحالیکہ اسے جانتے بھی ہیں۔

ان کے اس تصرف وتحریف کا، ایک جگہ اور ملاحظہ ہو۔

ومن الذين هادوا يحرّفون الكلم عن مواضعه۔ (النساء ع۷)

یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو کلام کو اس کے موقعوں سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔

اور پھر اس فرد جرم کی تاکید وتکرار کے طور پر ایک جگہ اور

يحرّفون الكلم عن مواضعه ونسوا حظًا مما ذكروا به ولا تزال تطلع على خائنة منهم الا قليلًا منهم۔ (المائده ع۳)

یہ لوگ کلام کو اس کے موقعوں سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں اور یہ لوگ جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا بیٹھے ہیں اور آپ کو تو ان سے ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی ہی رہتی ہے۔

بجز ان میں سے معدودے چند کے یہیں سے اس حقیقت تاریخی پر بھی روشنی پڑ گئی کہ حضور کے زمانہ میں بداخلاقی اور بددیانتی عام ہوچکی تھی اور ان کی اخلاقی پستی اپنی حد کو پہنچ چکی تھی اور ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو۔

يحرّفون الكلم من بعد مواضعه يقولون ان اوتيتم هذا فخذوه وان لم تؤتوه فاحذروا۔ (المائده ع۶)

یہ لوگ کلام کو بعد اس کے وہ اپنے موقع پر ہوتا ہے بدل دیتے ہیں اور دوسروں سے کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو اس سے احتیاط رکھنا۔

جس قوم کی جسارت یہاں تک بڑھ جائے کہ وہ اپنی آسمانی کتاب میں بلا تامل تحریف و تصرف کرڈالے۔ اس کے لیے اس سے اتر کر دنیا کی عام بداخلاقیاں باقی ہی کیا رہ جاتی ہیں چنانچہ قرآن مجید نے ان معاصر یہود کی اخلاقی پستیوں کو بار بار کھول کر بیان کیا ہے اس کے کئی حوالے آپ پہلے سن آئے ہیں۔ اب کچھ اور حاضر ہیں۔

ومن الذين هادوا سمّٰعون للكذب۔ (المائده ع۶)

اور یہود میں سے ایسے بھی ہیں جو جھوٹی باتیں خوب سنتے رہتے ہیں۔

اور جھوٹی باتیں سننے کا چسکا بھی ہے تو دوسروں یعنی منافقین مدینہ کی خاطر۔

سمّعون للکذب اکّالون للسّحت (ایضًا)

خوب سننے والے ہیں جھوٹی باتوں کے اور بڑے کھانے والے ہیں حرام کے۔

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کر ان کے بیے حکم لگا دیا کہ باوجود دعویٰ ایمان تم میں سے اکثر ایمان سے خارج ہی ہیں۔

وانّ اکثرکم فاسقون۔ (المائدہ ع۹)

اور بے شک تم میں سے اکثر نافرمان ہی ہیں۔

اور سحت کے اندر رشوت وغیرہ سارے ہی قسمیں حرام کی آگئیں اور پھر اسی سیاق میں چند سطریں آگے چل کر ارشاد اور زیادہ صراحت وعموم کے ساتھ ملتا ہے۔

وتری کثیرًا منھم یسارعون فی الاثم والعدوان واکلھم السّحت لبئس ماکانو یعملون۔ (المائدہ ع۹)

اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر معصیت اور سرکشی اور حرام خوری پر گرتے ہیں۔ واقعی بہت برے ہیں ان کے یہ کرتوت۔

یہ عموم کے اندر سب ہی کچھ آ گیا، اور معاً بعد اس دار سے ایک اور پردہ اٹھتا ہے۔

لولا ینھٰھم الرّبّٰنیّون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السّحت لبئس ماکانوا یصنعون۔ (المائدہ ع۹)

آخر ان کو ان کے مشائخ وعلماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ واقعی بہت برا ہے ان کا یہ کردار۔

اور یہ اکابر اپنے اصاغر کو روکتے کیسے یہ تو خود ہی اس بلاء میں مبتلا اور اسی کشتی میں سوار تھے چند سطریں اور آگے بڑھ کر یہود و نصاریٰ دونوں کو ملا کر عام اہل کتاب کے حق میں ارشاد ہوتا ہے۔

وکثیرًا منھم ساء مایعملون۔ (المائدہ ع۹)

ان میں سے بہتوں کے کردار برے ہی ہیں۔

اور پھر ان عام اہل کتاب کے تمرد وطغیان سے یہ آیت شاہد وصادق ہے۔

ولیزیدنّ کثیرًا منھم ما انزل الیک من ربّک طغیانًا وکفرًا فلا تاس علی القوم الکٰفرین۔ (المائدہ ع۱۰)

اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے وہ ضرور ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر بڑھا دیتا ہے تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجیے۔

اس آخری فقرہ نے ضمناً یہ بھی ظاہر کر دیا کہ حضور ﷺ غایت شفقت سے ان منکروں سرکشوں اور معاندوں کی خاطر بھی غمگین رہا کرتے تھے۔

یہود ونصاریٰ اصلاً دونوں قومیں موحد تھیں۔ بلکہ یہود میں تو آثار توحید زیادہ نمایاں اور بہت عرصہ تک قائم رہے تھے۔ پھر بھی یہ لوگ مشرک قوموں خصوصاً یونانیوں اور رومیوں کے اثرات سے زیادہ متاثر ہو چکے تھے اور یونانی فلسفہ کی راہ سے آیا ہوا شرک ان کے عقیدوں میں اچھی طرح گھر کر چکا تھا۔ چنانچہ خود حضور ﷺ کو واسطہ بنا کر ان قوموں کو یوں مخاطب کیا گیا ہے۔

قل یٰاھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم غیر الحقّ ولا تتّبعوا اھوآء قوم قد ضلّوا من قبل واضلّوا کثیرًا وضلّوا عن سوآء السّبیل۔ (المائدہ ع۱۰)

آپ فرما دیجیے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی گمراہی میں پڑ چکے ہیں اور وہ

لوگ راہ راست سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

یہودیوں نے ان باتوں میں خواہ مخواہ غلو کر کے اور اللہ نے جو حدود قائم کی ہیں ان سے خواہ مخواہ تجاوز کر کے یقیناً گمراہی کے راستہ پر جا پڑتا ہے اور یہود اور نصاریٰ دونوں نے یہ غلط اور مشرکانہ عقیدے ان گمراہ ہونے والی قوموں ہی سے لیے تھے۔ یہود نے زیادہ تر یونانیوں سے اور نصاریٰ نے زیادہ تر رومیوں سے، کافر قوموں سے دوستی و محبت اس وقت تک گویا ان کے خمیر میں داخل ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

وترى كثيرًا منهم يتولون الذين كفروا۔ (المائدہ ع ۱۱)

آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کر رہے ہیں۔

یہود کو مسلمانوں سے اس درجہ خلش بڑھ گئی تھی، کہ ان پر مشرکوں کو ترجیح دینے لگے تھے۔

الم تر الى الذين اوتوا نصيبًا من الكتاب يؤمنون بالجبت والطاغوت ويقولون للذين كفروا هؤلآء اهدى من الذين امنوا سبيلًا۔ (النساء ع۸)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا حصہ ملا ہے وہ بت اور شیطان کو مان رہے ہیں اور کافروں کی بابت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر تو یہی لوگ ہیں۔

یہود کو عداوت اسلام اور مسلمانوں سے اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ قرآن مجید کو آخر اعلان یہ کرنا پڑا کہ اسلام دشمنی کے لحاظ سے تو مشرکین عرب اور یہود ایک سطح پر ہیں۔

ولتجدن اشد الناس عداوة للذين امنوا اليهود والذين اشركوا (المائدہ ع۱۱)

آپ پائیں گے کہ مسلمانوں سے دشمنی رکھنے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر یہود اور مشرکین ہی ہیں۔

بغض و عداوت میں یہ اس درجہ حد سے گزر گئے تھے کہ معاشرہ کے عام آداب تہذیب کی بھی پروا نہیں رہ گئی تھی اور جب آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو بدتمیزی کے کلمات بے تکلف زبان پر لے آتے قرآن مجید نے اس خاص جزئیہ کی بھی نشان دہی پوری طرح کر دی۔

ويقولون سمعنا وعصينا واسمع غير مسمع وراعنا ليًّا بالسنتهم وطعنًا في الدين ولو انهم قالوا سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لكان خيرًا لهم۔

اور یہ لوگ سمعنا وعصینا اور اسمع غیر مسمع کہتے ہیں اپنی زبانوں کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے اور ان کے حق میں بہتر ہوتا اگر یہ سمعنا واطعنا کہتے اور (صرف) اسمع اور انظرنا۔

اور انہیں میں بعض ایسے ''شریف طینت'' بھی تھے جو آپس میں بھی اور مشرکوں سے بھی یہ سازش کرتے رہتے کہ چلو صبح کے وقت تم بھی مسلمانوں کے ہم زبان ہو کر اسلام کا اقرار کر لیا کرو اور پھر اس کے بعد انکار کر دیا کرو اس سے مسلمان یہ سمجھنے لگیں گے کہ آخر کوئی تو خرابی اس دین میں ایسی ہے کہ لوگ قبول کرتے ہیں اور پھر بعد غور و تامل اس کو ترک کر دیتے ہیں اور عجب نہیں کہ اس طرح بے دل اور بدگمان ہو کر خود بھی پھر جائیں۔

وقالت طآئفة من اهل الكتاب امنوا بالذي انزل على الذين امنوا وجه النهار واكفروا اخره لعلهم يرجعون۔ (آل عمران ع۸)

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لے آؤ شروع دن میں اس کتاب پر جو مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے اور انکار کر بیٹھو آخر دن میں عجب نہیں کہ وہ بھی پھر جائیں۔

ان کے رشک وحسد کے سلسلہ میں جو انہیں اسرائیلی ہونے کی حیثیت سے ایک معنی کے مرتبہ نبوت پر تھی انہیں کو مخاطب کر کے یوں ارشاد ہوا ہے۔

ان یؤتی احدٌ مثل ما اوتیتم او یحآجّوکم عند ربکم قل انّ الفضل بید اللہ یؤتیہ من یّشآء واللہ واسعٌ علیم یختص برحمتہ من یّشآء واللہ ذو الفضل العظیم۔ (آل عمران ع۸)

یہ باتیں تم اس لیے کر رہے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی یا وہ لوگ تم پر غالب آجائیں تمہارے پروردگار کے سامنے (اسی کتاب سے حجت پکڑ کر) اور اللہ بڑی وسعت والا (جس کا فضل کسی ایک نسل کے ساتھ محدود نہیں) اور بڑا علم والا ہے (ہر قوم کی صلاحیتوں سے واقف) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

معاصر اہل کتاب کو یہ صاف صاف جتلا دیا گیا، کہ یہ نئے رسول جو سلسلۂ انبیاء میں ایک بڑے لمبے وقفہ کے بعد بھیجے جا رہے ہیں تو ان کی بعثت سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ معاصر اہل کتاب پر حجت قائم ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یااھل الکتاب قد جآءکم رسولنا یبیّن لکم علی فترةٍ مّن الرسل ان تقولوا ما جآءنا من بشیرٍ ولا نذیرٍ فقد جآءکم بشیرٌ وّنذیرٌ۔ (المائدہ ع۳)

اے اہل کتاب تمہارے پاس یہ رسول آ پہنچے جو تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں۔ ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا کہ کہیں تم یہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو تمہارے پاس تو بشیر ونذیر آ چکا۔

اور پھر یہ اس لیے بھی آئے ہیں کہ تم جو اپنی طرف سے اپنی آسمانی کتاب میں

تحریف کرتے رہتے ہو وہ چوری سب پر ظاہر کر دیں اور یہ کہ ان کی صداقت وحقانیت قطعی و مسلم ہے۔

یااھل الکتاب قد جآءکم رسولنا یبیّن لکم کثیرًا مّما کنتم تخفون من الکتاب ویعفوا عن کثیرٍ قد جآءکم من اللہ نورٌ وکتابٌ مّبینٌ۔ (المائدہ ع۳)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے ہیں۔ کتاب میں سے جو کچھ تم چھپاتے رہتے ہو اس کا بہت سا حصہ تم سے کھول کر بیان کر دیتے ہیں اور بہت سے امور کو درگذاشت کر دیتے ہیں بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آئی اور ایک واضح کتاب۔

اور نصرانیوں سے تو قرآن مجید نے ایک بار رسول اللہ ﷺ کو مباہلہ کا اذن بھی دے دیا ہے حقیقت مسیح کے وضوح کے بعد ارشاد ہوا ہے۔

فمن حآجّک فیہ من بعد ما جآءک من العلم فقل تعالوا ندع ابنآءنا وابنآءکم ونسآءنا ونسآءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لّعنت اللہ علی الکاذبین۔ (آل عمران ع۶)

پھر جو کوئی آپ سے اس معاملہ میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کو علم صحیح پہنچ چکا ہے تو آپ کہہ دیجیے اچھا تو ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلا لیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔

تاریخ میں آتا ہے کہ یہ وفد نجران کے پادریوں کا تھا جو ۱۰ھ میں مدینہ میں حاضر خدمت ہوا تھا۔ ان سے ایک معاہدہ صلح ہو گیا اور مباہلہ کی ہمت مسیحیوں نے نہ کی۔

بہ حیثیت مجموعی۔ اس وقت کے نصرانیوں خصوصاً ان کے روحانی پیشواؤں کا رویہ اسلام اور شارع اسلام سے متعلق بڑا ہمدردانہ اور دینی خشوع و خضوع لیے ہوئے تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ولتجدن اقربهم مودة للذين امنوا الذين قالوا انا نصارى ذلك بان منهم قسيسين ورهبانا وانهم لا يستكبرون واذا سمعوا ما انزل الى الرسول ترى اعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق يقولون ربنا امنا فاكتبنا مع الشاهدين (المائدہ ع ۱۱)

مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائیے گا جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ اس سبب سے کہ ان میں (بہت سے) عالم اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں اور اس سبب سے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں، اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ لکھ لیجیے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ سچے نصرانی بعد کو اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ معاصر اہل کتاب کے ان رذائل کے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا، کہ جتنے تھے سب کے سب ایسے ہی تھے قرآن مجید ہی کی شہادت ہے کہ بعض ان میں سے اہل حق تھے اور اعتدال پر قائم۔

منهم امة مقتصدة۔ (المائدہ ع۹)

ان میں سے ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی بھی ہے۔

اور ایک اور جگہ ذکر یوں فرمایا گیا

ليسوا سواء من اهل الكتاب امة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون۔ (آل عمران ع۱۲)

یہ سب یکساں نہیں۔ انہیں اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہے جو اعتدال پر قائم ہے یہ اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔

اور چونکہ یہ لوگ تو آخر کار دین اسلام میں شامل ہی ہو گئے تھے۔ لیکن جو لوگ بدستور اپنے دین یہودیت پر تھے۔ ان کی بھی دو قسمیں دیانت داری کے لحاظ سے تھیں۔

ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطار يؤده اليك ومنهم من ان تامنه بدينار لا يؤده اليك الا ما دمت عليه قائما ذلك بانهم قالوا ليس علينا في الاميين سبيل ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون۔ (آل عمران ع۸)

اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال بھی امانت رکھ دو تو وہ (بھی) تجھے ادا کردیں اور انہیں میں سے ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کریں تاوقتیکہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو اور یہ اس لیے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر غیر اہل کتاب کے باب میں کوئی ذمہ داری نہیں یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے اور اسے جانتے بھی ہیں۔

یہ تھی بے کم و کاست حال ان یہود اور کل اہل کتاب کا جن سے آنحضرت ﷺ کو براہ راست سابقہ پڑا تھا۔ تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ ان میں کتنی کم صلاحیت قبول حق کی باقی رہ گئی تھی اور ان کے انبوہ عظیم میں کتنے کم ایسے رہ گئے تھے جن سے کسی قدر توقع اصلاح کی قائم کی جا سکتی تھی۔

منافقین

قرآن کی مکی سورتوں میں کثرت سے ذکر مشرکین کا آتا ہے، جو پیغمبر اسلام کے پیغام اور پیامبری کے کھلے ہوئے منکر تھے اور مکہ میں قرآن کے براہ راست مخاطب تھے۔ مدنی سورتوں میں اس کے برعکس آئے ہوئے مضامین کے ساتھ ساتھ دوسرے زیادہ کثرت سے ایسے طبقے لوگوں کا آتا ہے جو مسلمانوں اور اسلام کا کھلا ہوا منکر نہ تھا بلکہ بظاہر معتقد و مطیع تھا، لیکن باطن میں اندر ہی اندر قلبی انکار رکھتا تھا۔ اپنے آپ کو شامل گروہ مومنین میں رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن عقائد مشرکین یہود سے رکھتا تھا اور درپردہ سازشیں مسلمانوں اور شارع اسلام کے خلاف کرتا رہتا تھا۔ قرآن کی اصطلاح میں یہ لوگ منافقین کہلاتے ہیں اور قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے مخاطبین کے چار طبقوں میں سے ایک مستقل طبقہ ان لوگوں کا تھا۔

قرآن مجید سے اکثر تو نہیں براہ راست منافقین ہی کہہ کر یاد کیا ہے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان گروہ میں عورتیں بھی خاصی تعداد میں شامل تھیں اس لیے کہ قرآن مجید نے منافقات کا لفظ الگ ان کی تصریح بھی کم سے کم چار مقامات پر تو کی ہی ہے، اور کہیں کہیں بجائے نام کے، اس طبقہ کے لیے صیغہ فعل سے خبر دی ہے۔ مثلاً الذین نافقوا اور کہیں اس طبقہ کے لیے الذین فی قلوبھم مرض لایا گیا ہے، یعنی وہ لوگ جن کے دلوں کے اندر روگ ہے۔ اسی طرح کل ملا کر اس طبقہ کا ذکر قرآن مجید کے مدنی حصہ میں خاصی کثرت سے ملے گا۔

ان منافقین کا آغاز سمجھنا چاہیے کہ قرآن مجید کے آغاز سے ہو جاتا ہے۔ سورۃ بقرۃ کا دوسرا ہی رکوع ہے کہ پہلے رکوع میں مومنوں اور منکروں دونوں کے تذکرے کے بعد معاً یہ بیان سامنے آجاتا ہے۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین۔ (البقرة ع۲)

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور روز جزا پر حالانکہ وہ ذرا بھی صاحب ایمان نہیں۔

ان کے عمق قلب میں ایمان کا ذرا بھی گزر نہ تھا ان کا کاروبار تمام تر دیدہ و دانستہ دھوکے بازی اور فریب دہی کا تھا۔

یخدعون اللّٰہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون (البقرہ ع۲)

یہ دھوکا دے رہے ہیں (اپنے خیال میں) اللہ کو اور ایمان والوں کو، حالانکہ کوئی بھی ان سے دھوکا نہیں کھا رہا ہے، سوا ان کے اپنے نفس کے اور یہ اس کا بھی ادراک نہیں رکھتے۔

ان کے قلب کے اندر حسد و نفاق کا مرض تھا۔ اسلام کی ترقی دیکھ دیکھ انہیں اور جلن پیدا ہوتی تھی اور اس مرض کی آگ اور بھڑکتی رہتی تھی۔ انہیں تکذیب رسول اکے عدد داس عاق کی خصوصی سزا کی خبر دے دی گئی۔

فی قلوبھم مرضٌ فزادھم اللّٰہ مرضًا ولھم عذابٌ الیمٌ بما کانو یکذبون۔ (ایضًا)

ان کی اس منافقانہ زندگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر بگاڑ پھیلے اور جب انہیں ان کے اس رویہ پر سرزنش کی جاتی تھی۔ تو الٹے اس کی تردید و تکذیب کرتے اور اپنے کو پاک صاف ظاہر کرتے۔

واذا قیل لھم لاتفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون (البقرہ ع۲)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر بگاڑ مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں واہ ہم در بناؤ پیدا کرنے والے ہیں۔ خوب سن لو کہ مفسد یہی لوگ ہیں اور یہ اس کی بھی خبر نہیں رکھتے۔

آگے ان کے اس دو رخے پن کا ذکر ہے کہ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو ان کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں اور جب شیطان صفت معاندین اسلام کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں تو ان کی سی کہنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کو بنا رہے تھے۔ قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ بیچارے کیا کسی کو بنائیں گے۔ یہ خود ہی بن رہے ہیں اور اپنے عصیان وطغیان کے دلدل میں اور پھنستے ہی جا رہے ہیں! اور ان کو جب عام مومنین کی طرح قبول اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو اکڑ کر اور تڑاکر بولتے ہیں کہ کیا ہم بھی ان لوگوں کی طرح بے وقوف ہیں۔ اس کے بعد قرآن نے ان کی تہ بہ تہ گمراہیوں اور کج رائیوں کی دو دو تمثیلیں تفصیل سے بیان کی ہیں اور ان کے انجام بخیر ہونے کے بجائے ان کے انجام بہ شر ہونے کی خبر دی ہے۔

ان کی ایک عادت یہ تھی کہ بے تحاشہ کلمے کفر و انکار کے بک جاتے تھے اور جب گرفت ہوتی تو جھٹ مکر جاتے۔ حالانکہ اس کے بعد تو وہ ظاہر ہی اسلام سے بھی نکل جاتے۔

یحلفون باللّٰہ ما قالوا ولقد قالوا کلمة الکفر وکفروا بعد اسلامھم وھموا بما لم ینالوا۔ (التوبة ع۱۰)

یہ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی تھی۔ حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کی بات کہی تھی اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی۔

اس آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص مقصد ان لوگوں کے پیش نظر تھا۔ جو حاصل نہ ہو سکا اور چونکہ آیت ایک غزوہ کے سیاق میں ہے اس لیے عجب نہیں کہ ان آستین

ان سازشوں کا مقصد لشکر اسلام کے اندر پھوٹ ڈالنا اور رنجش پیدا کرا دینا ہوتا جیسا کہ روایت سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ مسلمانوں کے سامنے آ کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنے سے راضی کر لینا اور اپنے بات پر پوچھنا چاہتے تھے اور چونکہ مسلمانوں سے ملے جلے اور بظاہر انہیں کے گروہ میں شامل رہا کرتے۔ اس لیے اس کوشش میں کامیابی ان کے لیے کچھ دشوار بھی نہ تھی۔ حالانکہ اگر صداقت و دیانت ذرا بھی ہوتی تو کوشش اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کی کرتے رہتے۔ ارشاد ہوا ہے

یحلفون باللّٰہ لکم لیرضوکم واللہ ورسولہٗ احق ان یرضوہُ (التوبۃ ع۸)

یہ لوگ تم مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو راضی کر لیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول ہی اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

جھوٹی قسموں میں یہ لوگ منجھے ہوئے تھے۔ لیکن زبان وحی بھی برابر ان کی نقاب کشی کرتی رہتی۔

یحلفون باللہ انھم لمنکم وماھم منکم ولٰکنھم قومٌ یفرقون۔ (التوبۃ ع۷)

یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمہیں میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ بزدل ہیں۔

صدق دل سے رسول ﷺ پر ایمان لانا، لیکن رہا یہ لوگ رسول ﷺ کی بدگوئی کرتے رہتے اور طرح طرح آپ کی اذیت قلب کے باعث بنتے۔

ومنھم الذین یؤذون النبیّ ویقولون ھو اذنٌ۔ (التوبۃ ع۸)

انہیں میں وہ لوگ بھی ہیں، جو نبی کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کان کے کچے ہیں۔

یہ جھوٹ بولنے، تمسخر کرنے، بات بنا لینے میں مشاق اور بیباک ہونے کے باوجود

قرآن جو ان کی پردہ دری کرتا رہتا۔ اس سے ڈرتے رہتے اور اس کا کچھ بھی علاج ان کے بس میں نہ تھا۔ قرآنی ریکارڈ میں شہادت موجود ہے۔

یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃٌ تنبئھم بما فی قلوبھم قل استھزءُوا انّ اللہ مخرجٌ ماتحذرون۔ (التوبۃ ع۸)

یہ لوگ اس سے اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان لوگوں منافقین کے مافی الضمیر پر مطلع کر دے۔ آپ فرما دیجیے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو، بے شک اللہ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم اندیشہ کرتے تھے۔

جب گرفت ہوتی تو بڑا حیلہ اپنے بچاؤ کا ان کے پاس یہ تھا کہ کہیں واقعی یہ عقائد و خیالات ہمارے تھوڑے ہی ہیں یہ باتیں تو ہم محض خوش طبعی کے طور پر کہہ دیتے ہیں۔

ولئن سالتھم لیقولنّ انّما کنّا نخوض ونلعب۔ (ایضًا)

اور اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہہ دیں گے کہ یہ تو ہم محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے ہیں۔

قرآن نے اس عجیب و غریب عذر گناہ کا جواب دیا۔ وہ بھی سننے کے قابل ہے۔

قل اباللہ وآیاتہٖ ورسولہٖ کنتم تستھزءُون لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طآئفۃٍ منکم نعذب طآئفۃً بانّھم کانوا مجرمین۔ (التوبہ ع۸)

تو آپ ان سے کہیے کہ اچھا تو تمہارا یہ استہزاء اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تھا؟ اب کوئی عذر پیش مت کرو۔ تم تو اپنے کو مومن کہلانے کے بعد کفر کرنے لگے تم میں سے ایک گروہ کو اگر چھوڑ بھی دیں تو ایک گروہ کو ہم سزا دیں ہی گے۔ اس لیے کہ وہ لوگ مجرم تھے۔

اس کی منافقانہ کارروائیوں کا ذکر کثیر جنگ وغزوات کے سلسلہ میں آیا ہے (جیسا کہ سورۃ التوبہ میں خصوصاً آیا ہے) اس سے اتنا تو بہر حال ظاہر ہوتا ہے کہ فوج میں بددلی پھیلانا، فوج کے اندر اختلافات ونفاق پیدا کر دینا، عین وقت پر ہتھیار رکھ دینا، دشمن سے ساز باز رکھنا، اسے اپنے ہاں کے رازوں پر مطلع کر دینا اور اسی قبیل کے وہ جرائم جو فوجی قانون در میدانِ جنگ سے ساتھ مخصوص ہیں ان کے مرتکب تو یہ ضرور ہی ہوتے ہوں گے۔ لیکن قرآن مجید نے ان پر فردِ جرم جو لگائی ہے وہ اس سے زیادہ وسعت وعموم رکھتی ہے اور قیاس یہ ہوتا ہے کہ ان کا پھیلایا ہوا بگاڑ ساری ہی اجتماعی زندگی تک محیط ہو چکا تھا۔

المنافقون والمنفقت بعضهم من بعض يامرون بالمنكر و ينهون عن المعروف ويقبضون ايديهم۔

یہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک سے ہیں تعلیم دیتے ہیں بری باتوں کی اور باز رکھتے ہیں اچھی باتوں سے اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔

يقبضون ايديهم سے صاف اشارہ اس کی ترویج بخل کی طرف نکلتا ہے اور اس کے او پر کرپشن عام بد اخلاقی وبد کرداری کا یہ نتیجہ جو نکلنا تھا وہ بھی قرآن نے ظاہر کر دیا ہے۔

نسوالله فنسيهم ان المنافقين هم الفسقون۔ (التوبة ع ٨)

یہ اللہ کو بھلا بیٹھے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ یہ فاسق لوگ یہی منافق ہی تو ہیں۔

اس صورتِ حال کا ایک قدرتی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اس طبقہ کا ذکر بار بار کافروں اور مشرکوں پر عطف ہو کر آیا ہے اور ان کے انجام کا شریک ان کو بھی بتایا گیا ہے۔ مثلاً۔

وعدالله المنافقين والمنفقت والكفار نار جهنم خالدين فيها هي حسبهم ولعنهم الله ولهم عذاب مقيم۔ (التوبة ع ٨)

اللہ نے عہد کر رکھا ہے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لیے کافی ہے اور اللہ ان کو

اپنی رحمت سے دور رکھے گا اور ان کا عذاب دائمی ہے۔

اسی طرح پیغمبر کو ایک جگہ جہاں ایک ہدایت کی ہے وہاں بھی منافقوں کا عطف کافروں پر ہے۔

ولا تطع الكفرين والمنافقين ودع اذاهم۔ (الاحزاب ع ٩)

اے پیغمبر کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجیے، اور ان کی طرف سے جو اذیت پہنچے اس پر التفات نہ کیجیے۔

ودع اذاهم کا تعلق جتنا کافروں سے ہے اتنا ہی منافقوں سے بھی ہے گویا یہ صاف ہو گیا کہ جتنی اذیت آپ کو منافقوں یعنی نام کے مسلمانوں کی طرف سے پہنچتی رہتی تھی وہ اس سے کچھ کم نہ تھی جو کھلے ہوئے منکروں کی طرف سے پہنچتی رہتی تھی۔

ایک جگہ ذکر ہے کہ اللہ کے ساتھ بدگمانی رکھنے کی سزا ان کو اور ان کو دونوں کو ملے گی وہاں بھی منافقوں کو مشرکوں کے ساتھ عطف کر کے بیان کیا ہے۔

ويعذب المنافقين والمنفقت والمشركين والمشركت الظانين بالله ظن السوء۔ (الفتح ع ٨)

تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں۔

اور تقریباً یہی الفاظ ایک جگہ اور دہرائے ہوئے ملتے ہیں۔

يعذب الله المنافقين والمنفقت والمشركين والمشركت۔ (الاحزاب ع ٩)

انجام یہ ہوا کہ اللہ عذاب دے گا منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔

ان منافقین کا اصلی جرم تو ان کا یہی نفاق تھا۔ یعنی دل میں کچھ زبان پر کچھ، دل سے خالص انکار اور زبان پر محض اقرار۔ قرآن مجید نے ان کی فردِ جرم میں نمبر اول پر اس کو رکھا ہے۔

يقولون بالسنتهم ما ليس في قلوبهم۔ (الفتح ع ٢)

اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں بالکل نہیں ہیں۔

لیکن ان بنیادی اور اعتقادی جرم سے علاوہ ان کے عملی اور اخلاقی جرائم بھی کچھ کم قابل مواخذہ نہ تھے۔ مدینہ میں رہ کر غفیہ طور پر دامن مسلمان باشندگان شہر کی بدخواہی اور دشمنی میں لگے رہنا ان پر آفتِ کی اصطلاح میں سرد جنگ جاری رکھنا۔ یعنی شہر میں دہشت گردی ڈالنا چھپتے رہنا ان لوگوں کا مستقل شعار بن گیا تھا قرآن مجید نے اس پر بھی ان کا ذکر کرکے ان کے لیے سزا میں بھی انتہائی اور عبرت انگیز تجویز کردی ہیں۔

لئن لم ینته المنافقون والذین فی قلوبهم مرض والمرجفون فی المدینة لنغرینك بهم ثم لا یجاورونك فیها الا قلیلاً ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلاً۔ (الاحزاب ع۸)

اگر باز نہ آئیں یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں خبریں اڑاتے رہتے ہیں تو ہم آپ کو ان پر ضرور مسلط کردیں گے۔ پھر یہ لوگ شہر میں آپ کے پاس رہ بھی نہ پائیں گے مگر ہاں بہت ہی کم اور وہ بھی لعنت زدہ بس جہاں کہیں مل گئے نہیں پکڑا اور مار کے ٹکڑے کر دیے۔

ان اخلاقی پستی اور روحانی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ آخرت میں ان کا انجام سب سے بدتر قرار پایا کہ ایک تو قبولِ اسلام سے انکار اور مسلک کفر و شرک پر جمود اور اس پر ضافہ یہ دو مکر کا کہ ہم تو مسلم و مطیع ہیں ارشاد ہوا ہے۔

ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار ولن تجد لهم نصیراً۔ (النساء ع۲۱)

بے شک منافقین دوزخ کے سب سے بڑے طبقہ میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

ان کے جرائم کی پاداش میں ان کا انجام اخروی یا دوزخ دنیا میں بھی ان کے ساتھ

معاملہ بھی نازل ہوا ہے اور انہیں کافروں ہی کی صف میں رکھ کر پیغمبر کو حکم ان کے خلاف بھی جہاد کا ہوا ہے۔

یاایها النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم وماواهم جهنم وبئس المصیر۔ (التحریم ع۲)

اے نبی جہاد کافروں اور منافقوں سے کیجیے اور ان پر سختی کیجیے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بڑی بری جگہ ہے۔

یہ آیت بھی سورہ تحریم کی تلاوت ہوئی اور بعینہ یہی آیت سورۃ التوبہ رکوع ۸ میں بھی وارد ہو چکی ہے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ یہاں لفظ جہاد اپنے لغوی معنی میں یعنی سخت کوشش کے مرادف ہو کر آیا ہے جہاد فقہی کے معنی میں نہیں جو بہت بعد کی اصطلاح ہے ورنہ قرآن مجید میں اس کے لیے لفظ قتال ہے اور لفظ جہاد میں حضور ﷺ کے لیے پوری گنجائش باقی رہی کہ آپ اپنے اجتہاد کی رو سے جیسی مناسب سمجھیں جہاد کی معاملہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ ان کی دوران کے حسب حال رکھیں۔

مکہ میں کھلا ہوا کفر و شرک تھا اس مرض نفاق کا مقابلہ تو آنحضرت ﷺ کو مدینہ ہی میں کرنا پڑا اور منافقین بیشتر کرتے اور ان میں وہ چالاک اور شاطر طبقہ بھی تھا۔ جو حضور کی نظر سے حضور کے کمال فراست و دانائی کے باوجود اپنے کو مخفی رکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ قرآن مجید نے صراحت کردی ہے۔

ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم۔ (التوبة ع۱۳)

اور مدینہ والوں میں سے نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہے، آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں۔

اور اس کے معاً بعد ان کے انجام دنیوی و اخروی سے بھی خبر دے دی گئی۔

سنعذبهم مرتین ثم یردون الیٰ عذاب عظیم۔ (التوبة ع۱۳)

ہم ان کو دوہری سزا میں دیں گے اور پھر بھیجیں گے عذاب عظیم کی طرف۔

یہ منافقین شہر مدینہ کے علاوہ دیہات و حوالِ مدینہ میں بھی آباد تھے۔

وممن حولكم من الاعراب منافقون. (ایضًا)

اور یہ بھی تمہارے گرد و پیش دیہاتی ہیں ان میں بھی کچھ منافق ہیں۔

اور دیہاتیوں کے مزاج میں یوں بھی سختی زیادہ ہوتی ہے شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ دیہاتی کفر و نفاق دونوں میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

الاعراب اشد كفرا ونفاقا (التوبة ع ۱۲)

یہ دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔

غریب و تہی دست مسلمانوں پر یہ سنگ دل مسخرے منافقین برابر طنز و تمسخر کرتے رہتے تھے، ان مفلسوں کی طرف سے جواب خود حق تعالیٰ نے دیا ارشاد ہوتا ہے۔

فيسخرون منهم سخر الله منهم ولهم عذاب اليم (التوبة ع ۱۰)

یہ ان (مفلس مسلمانوں) سے مسخرہ پن کرتے ہیں اللہ ان کے مسخرہ پن کو ان پر الٹ دے گا اور ان کے لیے عذاب دردناک رکھا ہوا ہے۔

ان میں کے بعض بدبخت ایسے بھی تھے، جن پر یہ نفاق کی لعنت بطور ان کی سزا یا پاداش عمل کے مسلط کر دی گئی ہے، قرآن مجید نے ان کی نفسیات پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

ومنهم من عاهد الله لئن اتانا من فضله لنصدقن ولنكونن من الصالحين فلما اتاهم من فضله بخلوا به وتولوا وهم معرضون فاعقبهم نفاقا في قلوبهم الى يوم يلقونه بما اخلفوا الله ما وعدوه وبما كانوا يكذبون. (التوبه ع ۱۰)

ان میں کے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو عطا کر دیا تو ہم خوب خیر خیرات کریں گے اور خوب نیک نیک

کام کریں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کر دیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے اور وہ تھے ہی بات سے پھر جانے والے سو اللہ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ جو اللہ سے جا ملنے کے دن تک ان میں رہے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی، اور اس لیے کہ جھوٹ بولتے رہتے تھے۔

انہیں بڑا ناز اپنی چالاکی اور ہوشیاری پر تھا، سمجھتے تھے کہ ان کے راز چھپے کے چھپے رہ جائیں گے۔ قرآن مجید نے بار بار ان کے اس زعم باطل کو توڑا ہے اور انہیں یاد دلایا ہے کہ ان کا سابقہ خدائے دانندہ و اسرار شناس سے ہے۔

الم يعلموا ان الله يعلم سرهم ونجوهم وان الله علام الغيوب (التوبة ع ۱۰)

کیا انہیں اس کی خبر نہیں ہے کہ اللہ کو ان کے دل کا راز اور سرگوشی ان کی سب معلوم ہے اور اللہ غیب کی ساری باتیں خوب جانتا ہے۔

ان کی ریاکاری و منافقت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنی ایک مسجد کھڑی کر دی تھی۔ بظاہر تمام تر عبادت و ذکر الٰہی کے لیے، لیکن دراصل مقصد یہ تھا اس میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی جائیں اور اسلام و وحدت اسلامی کی بربادی کے منصوبے تیار کیے جائیں۔ قرآن مجید نے اس کا بھی پول کھول دیا اور رسول اللہ ﷺ کو صاف حکم دیا کہ آپ ہرگز اس کی طرف رخ نہ کریں۔

والذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفرا وتفريقا بين المؤمنين وارصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل وليحلفن ان اردنا الا الحسنى والله يشهد انهم لكاذبون لا تقم فيه ابدا. (التوبة ع ۱۳)

اور وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے مسجد اس غرض سے بنا کھڑی کی ہے کہ (اس

والله يعلم اسرارهم. (ایضاً) اللہ خوب جانتا ہے ان کی خفیہ باتوں کو۔

ذرا ابتدائی تکلیف اور بدحواسی ان پر اس وقت طاری ہوتی، جب رسول ہی کی زبان سے نہیں اس قسم کے تنبیہی پروانے وصول ہوتے۔

ام حسب الذين فى قلوبهم مرض ان لن يخرج الله اضغانهم ولو نشاء لاريناكهم فلعرفتهم بسيمهم ولتعرفنهم فى لحن القول. (محمد ع ٤)

جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہماری مشیت یہ ہوتی تو ہم آپ کو ان کا پورا پتہ بھی بتا دیتے اور آپ ان کو ان کے حلیے سے پہچان لیں گے۔

اپنی مادی دنیوی زندگی میں یہ کسی سے دب ہوئے نہ تھے۔ بلکہ ان کی معاشرت معلوم ہوتا ہے، خاصی بلند و ممتاز تھی اور ان سے ظاہر میں ایک طرح کی کشش یا دلکشی بھی تھی قرآن مجید کی شہادت ہے۔

واذا رایتهم تعجبك اجسامهم وان يقولوا تسمع لقولهم (المنافقون ع ١)

آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی سننے لگیں۔

ان کی ظاہری خوشحالی اور خوش قسمتی بھی خاصی حد تک میں ڈالنے والی تھی رسول اللہ کو خاص طور پر اس خطرے سے آگاہی دے دی گئی اور حقیقت حال سے مطلع فرما دیا گیا۔

ولا تعجبك اموالهم واولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها فى الدنيا وتزهق انفسهم وهم كافرون. (التوبة ع ١١)

ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں اللہ کو تو بس یہ منظور ہے

کہ ان چیزوں کے واسطے سے انہیں دنیا میں بھی مبتلائے عذاب رکھے اور ان کا دم بھی ایسی حالت میں نکلے کہ یہ کافر ہوں۔

ایک پوری سورۃ انہیں کے نام پر المنافقون پارہ ۲۸ میں موجود ہے، جس کی ایک آیت چند منٹ قبل پیش ہو چکی ہے لیکن درحقیقت اس سورۃ میں پورا عکس اس طبقہ کی زندگی کا آ گیا ہے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر اپنی اسلامیت بگھارتے اور اپنے اپنے ایمان و اطاعت کا ڈھنڈورا پیٹتے، جو تمام تر جعل ہوتا۔ ارشاد ہوا ہے۔

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكذبون. (المنافقون ع ١)

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں، لیکن اللہ اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین پکے جھوٹے ہیں ان کا حاصل عمر ان کی ساری کمائی ان کی جھوٹی قسمیں ہیں۔

اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله انهم ساء ما كانوا يعملون. (ایضاً)

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے تو یہ لوگ اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں بے شک بہت ہی برے ہیں ان کے اعمال جو ہو کر رہے ہیں۔

اسی سے ملتی ہوئی آیت اسی سورہ مجادلہ میں بھی آ چکی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله فلهم عذابٌ مهينٌ (مجادله ع ٣)

ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں

تو ان کے لیے عذاب ہے ذلت والا۔

اس آیت سے معاً پہلے اس طبقہ کا تعارف اس کی یہود دوستی کی حیثیت سے کرا کے اس کا انجام یوں پیش کیا ہے۔

الم تر الی الّذین تولّوا قومًا غضب اللّٰہ علیھم مّاھم منکم ولا منھم ویحلفون علی الکذب وھم یعلمون اعدّ اللّٰہ لھم عذابًا شدیدًا انّھم سآء ماکانوا یعملون۔ (المجادلہ ع۳)

کیا آپ نے ایسے لوگوں پر نظر نہیں کی (یعنی انہیں منافقین پر) جو ایسی قوم سے دوستی کیے ہوئے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہے (یعنی قوم یہود سے) ایسے لوگ نہ تمہیں میں ہیں نہ انہیں میں جھوٹی بات پر قسمیں کھا جاتے ہیں اور اسے جانتے بھی ہوتے ہیں اللہ نے ان کے لیے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے۔ بے شک بہت ہی برے ہیں جو (عمل) وہ کیا کرتے ہیں۔

ان کی ظاہری خوشحالی اور خوش باتوں سے دھوکا کھانے پر ایک بار پھر تنبیہ کر دی ہے۔

لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللّٰہ شیئًا اولٓئک اصحاب النّار ھم فیھا خلدون۔ (ایضًا)

ان کے مال اور ان کی اولاد انہیں اللہ سے ذرا نہ بچا سکیں گے یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اب پھر اسی سورت منافقون کی طرف آ جائیے جس کے بیان کا سلسلہ چل رہا تھا۔ انہوں نے ایمان کا اظہار کیا، مگر معاً کفر کو اپنے دل میں جگہ دے لی، اس کا وبال یہ پڑا کہ ان کے دلوں پر قبول حق کی طرف سے مہر لگ گئی اور سمجھ بوجھ کا گویا مادہ ہی ان سے چھن گیا۔

ذٰلک بانّھم اٰمنوا ثمّ کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون (المنافقون ع۱)

یہ سب اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی تو یہ سمجھتے بوجھتے نہیں۔

ان کے دل چور ہیں اور یہ طبیعت کے بزدلے ہیں۔ اس لیے کہیں سے کوئی آواز بلند ہوئی اور یہ اسے اپنے ہی اوپر سمجھے۔ ہر غل پکار کو اپنے ہی اوپر خیال کرتے ہیں۔

انابت و خشیت کا گذر ان کے قلب میں کہاں، زعم و پندار میں مبتلا یہ رسول ﷺ کی خدمت میں اپنے استغفار کے لیے حاضر ہونے کے بجائے اور اوپر سے اکڑے اکڑے پھرتے ہیں۔

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللّٰہ لوّوا رءوسھم ورأیتھم یصدّون وھم مستکبرون۔ (المنافقون ع۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے رسول اللہ استغفار کریں تو یہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ تکبر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں۔

یہ بھی صراحتاً بتا دیا گیا، جیسا کہ سورۃ توبہ کی ایک آیت کے ذیل میں پہلے بھی گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے زبردست مستغفر کی دعائے مغفرت بھی ایسے شامت زدوں کے حق میں قبول نہ ہوگی۔

سوآء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یّغفر اللّٰہ لھم۔ (ایضًا)

ان کے حق میں سب برابر ہے، خواہ آپ ان کے لیے استغفار کریں یا آپ استغفار نہ کریں اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہ کرے گا۔

عملی حالت ان کی یہ تھی کہ خود صاحب ثروت مسلمانوں کو ترغیب دیتے رہتے تھے کہ رسول کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو۔ مالی امداد کی طرف سے مایوس ہو کر یہ بھیڑ خود ہی چھٹ جائے گی۔ گویا رسول ﷺ دین حق کی تبلیغ کے لیے بندوں کی امداد کے تمام تر محتاج

تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اس حمق کی پردہ دری یوں کی ہے۔

هم الذين يقولون لاتنفقوا على من عند رسول الله حتى ينفضوا ولله خزآئن السموت والارض ولكنّ المنافقين لا يفقهون. (ایضاً)

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا کے گرد و پیش ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے۔ حالانکہ اللہ ہی کے ہیں سارے خزانے آسمانوں اور زمینوں کے البتہ منافقین اسے سمجھتے نہیں۔

اور پھر منافقین کے جو یہ دعوے تھے کہ میدان جنگ سے واپسی کے بعد مسلمانوں کو تہس نہس کر ڈالیں گے۔ ان کی اس بدنیتی کا پردہ بھی قرآن نے یوں چاک کیا ہے۔

يقولون لئن رّجعنا الى المدينة ليخرجنّ الاعز منها الاذلّ ولله العزّةُ ولرسوله ولكنّ المنافقين لا يعلمون (ایضًا)

یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ واپس گئے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنین کی لیکن منافقین اسے جانتے بوجھتے نہیں۔

سب سے بڑھ کر جامع و اکمل اور ساتھ ہی عبرت انگیز مرقع اس طبقہ کا سورۃ الحدید میں نظر آتا ہے گو ذرا طویل ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کے اس حاضر طبقہ کی ذہنیت کو پوری طرح سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے سیاق یوم حشر کا ہے، اب آگے سنئے۔

يوم يقول المنافقون والمنفقت للذين آمنوا انظرونا نقتبس من نّوركم قيل ارجعوا ورآءكم فالتمسوا نورًا فضرب بينهم

بسور لهٗ بابٌ باطنه فيه الرحمةُ وظاهرهٗ من قبله العذاب ينادونهم الم نكن معكم قالوا بلى ولكنّكم فتنتم انفسكم وتربصتم وارتبتم وغرّتكم الامانى حتّى جآء امرُ الله وغرّكم بالله الغرور فاليوم لايؤخذ منكم فديةٌ ولا من الّذين كفروا مأوكم النّار هي مولا كم وبئس المصير.

جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے (جس وقت وہ جنت کو جا رہے ہوں گے اور ان کے اردگرد نور ہوگا) ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کرلیں انہیں جواب ملے گا کہ لوٹ جاؤ اپنے پیچھے ہی طرف پھر روشنی تلاش کرو۔ اس کے بعد ان کے اور انکے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کے اندرونی طرف رحمت ہوگی اور بیرونی طرف عذاب منافقین (اب) مسلمانوں کو پکاریں گے کیا ہم تمہارے ساتھ (دنیا میں) نہ تھے وہ (جواب) میں کہیں گے کہ تھے تو بے شک، تم نے خود ہی اپنے کو گمراہی میں پھنسالیا تھا اور تم منتظر رہتے تھے اور تمہاری بیہودہ آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم آپہنچا اور تم کو اس بڑے فریبی نے اللہ کے باب میں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ غرض آج تم سے کوئی فدیہ نہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہاری رفیق ہے اور کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

انکشاف حقائق کے وقت کی یہ صحیح اور حسن و قبح نقاشی کرکے دنیا میں بھی ان کی صحیح حالت کا جو پیش کیا ہوتا یہ تھا۔ آپ کے معاصرین کا وہ دوسرا طبقہ، جس سے پیغمبر علیہ السلام کو سابقہ علاوہ منکرین و مشرکین، مدعیین، مومنین، یہود اور نصرانیوں کے اپنی زندگی میں پڑا تھا۔

چنانچہ جب کاشانہ مبارک پر حاضر ہوتے تو بجائے اس کے کہ حضور کے برآمد ہونے کا انتظار کریں دروازے سے ہی بے تحاشا آپ کو چیخ کر پکارنا شروع کر دیتے تھے۔ قرآن مجید میں پھر ذکر مہذب و شائستہ مذمت کے ساتھ یوں کیا ہے

ان الذین ینادونك من وراء الحجرات اکثرهم لا یعقلون. (الحجرات ع۱)

جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے رہتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

لفظ حجرات بہ صیغہ جمع خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ بیان زمانہ قیام کا ہو رہا ہے بعض ایسے بھی تھے (غالب اہل بادیہ ہوں گے) جو مجلس مبارک میں آکر چیخ چیخ کر بولتے اور ذرا ادب ملحوظ نہ رکھتے۔ انہیں ادب سکھایا گیا کہ دھیمی آواز سے بولیں اور قرآن مجید نے اس کی ہدایت کو بس اشارہ ہی تک اجمال نہیں کیا ہے، بلکہ خاصے بسط و تفصیل سے کام لیا ہے کہ آئندہ نسلوں کو بھی سمجھنے میں کوئی الجھن نہ باقی رہ جائے۔

یا ایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیّ ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون. (الحجرات ع۱)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیمبر کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولو، جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولتے ہو کہیں تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ ہدایت خاص مومنین کو کی جا رہی ہے، جن کے ذہن میں رسول ﷺ اللہ کی ذرا سی بے حرمتی کا شائبہ تک نہیں آسکتا تھا۔ اب اس نفی کے ساتھ اثبات کا سلسلہ کے ساتھ پہلے کا اور نہی کے ساتھ امر کا پہلو بھی ملاحظہ ہو۔

ان الذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولٓئك الذین

امتحن الله قلوبهم للتقوی لهم مغفرة واجر عظیم.

بے شک جو لوگ پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔

یہ تو آداب مجلسی و معاشرتی پر توجہ دہانی کی ایک مثال ہوئی اسی طرح کوتاہیاں کبھی عبادات کے دائرہ میں ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ایک بار حضور ﷺ خطبہ جمعہ دے رہے تھے کہ مسجد کے باہر سے کسی تجارتی قافلہ یا تماشہ کے گزرنے کی آواز آئی اور سامعین خطبہ چھوڑ ادھر لپک گئے، اس پر بھی صراحت کے ساتھ ٹوکا گیا۔

واذا راو تجارة او لهوا انفضوا الیها وترکوك قائما قل ما عند الله خیر من اللهو ومن التجارة. (الجمعة ع۱)

اور یہ جب تجارت یا تماشا دیکھ پاتے ہیں تو ادھر لپک جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ کے ہاں جو (اجر) ہے وہ تماشا اور تجارت سے بڑھ کر ہے۔

کوئی کوئی ان میں سے ایسے بھی نکلے جو جہاد کے موقع پر پیچھے رہ گئے۔ لیکن اپنی وقتی غفلت کا کفارہ انہوں نے جان و دل سے ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کو آخر رضامند بھی کر لیا قرآن مجید نے بیسوں کی تعداد کل نہیں بتائی ہے اور ان کا تذکرہ خود پیمبر اور اصحاب مہاجرین و انصار کے مدح کے تذکرہ پر عطف کر کے ان الفاظ میں کیا ہے۔

وعلی الثلثة الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجا من الله الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا ان الله هو التواب الرحیم. (التوبة ع۱۴)

اور اللہ نے ان تینوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ زمین جب باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ

خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اللہ ہی کے پاس کے تو اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ (وہ آئندہ بھی) رجوع رہا کریں، بے شک اللہ بڑا توجہ فرمانے والا رحیم ہے۔

کچھ ایسے بھی نکلے جن سے اس سلسلہ جہاد وقتال میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور ان سے کمزوری کی حالت تین تین دن بلکہ پائی گئی۔ لیکن آخر کار انہیں بھی پروانہ معافی ان کی سچی توبہ پر سنادی گئی۔

واحرون اعترموا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحًا واخر سيئًا عسى اللّٰه ان يّتوب عليهم انّ اللّٰه غفورٌ الرّحيم.

کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطاؤں کے معترف ہوگئے انہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے۔ کچھ بھلے کچھ برے، اللہ عجب نہیں کہ ان پر رحمت سے توجہ فرمائے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔

لیکن جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے، اس قسم کی خال خال بشری کمزوریوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد غیر معصوم مخلص رفیقوں کی یہ جماعت تمام تر پاکبازوں، راست کرداروں اور قدسیوں ہی کی ایک جماعت تھی۔ ان کی ایمان دوستی، کفر دشمنی، فسق بیزاری اور پاکیزہ قلبی کا اعلان قرآن مجید انہیں کو مخاطب کر کے یوں کرتا ہے۔

ولٰكنّ اللّٰه حبّب اليكم الايمان وزيّنه فى قلوبكم وكرّه اليكم الكفر والفسوق والعصيان اولٰئك هم الرّاشدون فضلاً من اللّٰه ونعمة. (الحجرات ع١)

لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا اور کفر و فسق اور معصیت سے تمہیں بیزار کر دیا۔ یہی لوگ راہ یاب ہیں اللہ کے فضل و انعام سے۔

کسی جماعت کی پختہ ایمانی، دوری کفر ہی نہیں، فسق و معصیت سے بھی دوری اور پاکی کی شہادت اس سے بڑھ کر اور اس سے واضح تر لفظوں میں اور کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن یہی ربانی صداقت نامہ اس جماعت کے انہماک عبادت اور طلب رضائے الٰہی کا اور بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

والّذين معه اشدّآء على الكفّار رحمآء بينهم تراهم ركّعًا سجّدًا يبتغون فضلاً من اللّٰه ورضوانًا سيماهم فى وجوههم من اثر السّجود. (الفتح ع٤)

اور جو لوگ (پیغمبر) کے ہمراہ ہیں وہ سخت ہیں، کافروں کے معاملہ میں اور نرم دل ہیں آپس میں (اے مخاطب) تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے۔ اللہ کے فضل و رضا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کے آثار ان کے چہروں پر تاثیر سجدہ سے نمایاں ہیں۔

ایک جگہ اور جہاں ذکر جنتیوں کا ہے۔ وہاں الفاظ گو عام ہیں اور ہر دور کے اہل ایمان ان کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن اشارہ خصوصی اسی جماعت صحابہ کی جانب ہے۔

انّهم كانوا قبل ذٰلك محسنين كانوا قليلاً من الّيل ما يهجعون وبالاسحار هم يستغفرون وفى اموالهم حقٌّ للسّائل والمحروم. (الذاريات ع١)

یہ لوگ اس کے قبل (یعنی دنیوی زندگی میں) بڑے نیک کار تھے۔ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی (سب) کا حق تھا۔

ان کی عبادتی شب بیداریوں اور استغفاری سحر خیزیوں کی شہادت ایک اور سلسلہ میں بھی ملاحظہ ہو۔

ان ربك يعلم انك تقوم ادنى من ثلثى الّيل ونصفه وثلثه وطآئفةٌ من الّذين معك۔ (المزمل ع ۲)

آپ کا پروردگار خوب واقف ہے (اے پیغمبر) آپ رات میں کھڑے رہتے ہیں قریب دو تہائی یا آدھی رات یا تہائی رات کے اور آپ کے ساتھیوں کا ایک گروہ بھی۔

رفاقت معیت اور صحابیت کے معنی بھی یہی تھے کہ عبادتوں، ریاضتوں اور مشقتوں میں بھی اپنے آقا "صاحب" کے نقش قدم پر چلا جائے۔

اور ایک نقشہ بھی انہیں پاک بازوں کی روزانہ زندگی کا قرآن مجید نے پیش کیا ہے (گو الفاظ یہاں عام و وسیع ہیں) جس میں ان کے معمولات، اخلاق عبادات، معاملات سب کے خط و خال صاف نظر آسکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

وعباد الرّحمٰن الّذين يمشون على الارض هونًا واذا خاطبهم الجٰهلون قالوا سلٰمًا والّذين يبيتون لربّهم سجّدًا وقيامًا والّذين يقولون ربّنا اصرف عنّا عذاب جهنّم انّ عذابها كان غرامًا انّها سآءت مستقرًّا ومقامًا والّذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قوامًا والّذين لا يدعون مع الله الٰهًا اٰخر ولا يقتلون النفس الّتى حرّم الله الّا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق اثامًا (الفرقان ع ٦)

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر مسکنت کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ بات کرتے ہیں تو رفع شر کی بات کہہ دیتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ و قیام میں لگے رہتے ہیں اور جو دعا میں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھ بے شک جہنم

برا ٹھکانا اور برا مقام ہے اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ بخل سے) ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان کو اللہ نے قابل مرحمت رکھا ہے اسے ہلاک نہیں کرتے۔ ہاں مگر حق پر اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا اسے سابقہ سزا سے پڑے گا۔

صحابہ کے معتبر حالات میں کتابیں اردو میں بھی حدیث و سیر سے ماخوذ ہو کر شائع ہو چکی ہیں اور عربی میں تو خیر موجود ہی ہیں۔ ان کی دی ہوئی تفصیلات کو سامنے رکھ کر دیکھئے کہ قرآن مجید نے کس اعجاز کے ساتھ ان کی تصویر کشی کر دی ہے! قرآنی بیان ابھی ختم نہیں ہوا اسی رکوع کی چند اور سطریں بھی قابل مطالعہ ہیں۔

والّذين لا يشهدون الزّور واذا مرّوا باللّغو مرّوا كرامًا والّذين اذا ذكّروا باٰيٰت ربّهم لم يخرّوا عليها صمًّا وّعميانًا والّذين يقولون ربّنا هب لنا من ازواجنا وذرّيّٰتنا قرّة اعين واجعلنا للمتّقين امامًا اولٰٓئك يجزون الغرفة بما صبروا ويلقّون فيها تحيّةً وّسلٰمًا خٰلدين فيها حسنت مستقرًّا ومقامًا (الفرقان ع ٦)

اور یہ لوگ ناجائز مجمعوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے بھی ہیں تو سلامت روی کے ساتھ گزر جاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کے احکام کے ذریعہ سے تو یہ ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے اور یہ لوگ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے یہی لوگ بالاخانے عطا ہوں گے۔ بہ سبب ان کے ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس میں دعا اور سلام

ملے گا جس میں ہمیشہ رہیں گے وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔

قدوسیوں کی جماعت کا اطلاق اگر اس جماعت پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا اللہ کے اس جماعت کے شرف وعظمت کا اندازہ اس سے فرمایئے کہ جس طرح حضور انور ﷺ کی آمد وظہور کی پیش خبریاں اگلی آسمانی کتابوں میں درج تھیں اسی طرح اس جماعت کا نقشہ بھی توریت و انجیل جیسے گرامی صحیفوں میں درج ہو چکا ہے۔

سورۃ فتح کی ایک آیت ابھی کچھ ہی دیر ہوئی آپ کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔ **والذین معہ اشداء علی الکفار** الخ اس سے متصل اور اس کے معا بعد قرآن مجید ہی میں ہے۔

ذلک مثلھم فی التوراۃ ان کے اوصاف توریت میں درج ہیں۔

اعجاز قرآنی کا کرشمہ ملاحظہ ہو، کہ بے شمار تحریفات وتصرفات کے بعد بھی توریت موجودہ میں یہ الفاظ آج تک لکھے چلے آرہے ہیں۔

"فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا" (استثناء ۳۳۔۲)

اور یہ ایک معلوم ومعروف حقیقت ہے کہ فاران مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے اور پھر یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فتح مکہ کے بعد جتنے صحابیوں یا "قدوسیوں" کا ساتھ ہو تھا ان کی تعداد بھی دس ہی ہزار تھی۔

توریت میں اس کے بعد ہے۔

"اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی"

قرآن مجید کے الفاظ **اشداء علی الکفار** آپ سن چکے ہیں۔ اس کی مطابقت "آتشیں شریعت" سے دینے میں دشواری کسی کو نہیں پیش آسکتی۔ آگے توریت میں ہے۔

"ہاں وہ اپنی قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے"

قرآن مجید کے الفاظ رحماء بینھم ابھی آپ کے کان میں گونج ہی رہے ہوں گے اور ان

کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے اور آخر میں توریت میں اس حلیے میں ہے۔

"اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے"۔

اسے پڑھ کر قرآن مجید کے بھی یہ الفاظ اپنے ذہن میں تازہ کر لیجیے **رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا** توریت کا بیان آپ نے سن لیا۔ اب انجیل مدح صحابہ بھی سماعت فرمائیں۔ اس لیے کہ قرآن مجید نے توریت کے معا بعد انجیل کا نام بھی لیا ہے اور کہا ہے۔

ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطاہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع (الفرقان ع٦)

اور انجیل میں ان کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی ہیں کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اپنی سوئی کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھی معلوم ہونے لگی۔

موجودہ محرف انجیلوں سے بھلا اس عبارت کی کسی درجہ میں بھی تصدیق وتوثیق کی امید ہو سکتی تھی؟ لیکن نہیں۔ ہم مثل عبارتیں اب بھی انجیلوں میں باقی رہ گئی ہیں انجیل متی باب ۱۳ کی آیت ۳۱، ۳۲ جب چاہے پڑھ کر دیکھ لیجیے اور اس وقت تو سن ہی لیجیے۔

"آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانے کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کی ڈالیوں پر آکر بسیرا لیتے ہیں۔

اور آپ چاہیں تو ایسی ہی عبارتیں انجیل مرقس باب ۴ آیت ۳۰ تا ۳۲ میں نیز انجیل لوقا باب ۱۳ آیت ۱۸، ۱۹ میں نکال کر پڑھ سکتے ہیں۔

ان مخلص شاگردوں اور جانباز رفیقوں نے رسول ﷺ کا ساتھ ہجرت وترک وطن میں دیا، جہاد وقتال میں دیا اور رسول ﷺ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا اپنی جان تک

کی بازی لگا دی۔ صحیفہ ربانی اپنے کمال ذرہ نوازی اور بندہ پروری سے اپنے ان بندوں کی روداد خلوص اپنے اوراق میں برابر درج کرتا گیا ہے چنانچہ ایک جگہ ہے

لكن الرسول والذين امنوا معهٗ جاهدوا باموالهم وانفسهم واولئك لهم الخيرت واولئك هم المفلحون۔ (توبه ع ۱۱)

لیکن رسول اور جو لوگ آپ کے ساتھ (ہو کر) ایمان لائے انہوں نے جہاد کیا اور اپنی جان سے اور اپنے مال سے انہیں کے لیے تو بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ تو فلاح یاب ہیں۔

رضائے الٰہی کے اس معزز تمغہ کے بعد گر اس طبقہ کے ہر فرد کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنے اور لکھنے کا دستور ہم مسلمانوں میں پڑ گیا تو اس میں حیرت کی کوئی بات ہی نہیں ایک دوسرا پروانہ مغفرت و مغفوریت ان باعمل پیروان رسول ﷺ کے حق میں ملاحظہ ہو۔

والذين امنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله والذين اووا ونصروا اولئك هم المؤمنون حقًّا لهم مغفرةٌ ورزقٌ كريمٌ۔ (انفال ع ۱۰)

اور جب ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا نیز جن لوگوں نے (انہیں) اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہی (سب) لوگ تو ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں انہیں کے لیے مغفرت ہے اور بہترین روزی۔

صحابیان رسول کی جو دو بڑی تقسیمیں مہاجرین اور انصار کی ہیں قرآن مجید نے یہاں اس تقسیم کو قبول ہی نہیں کیا۔ بلکہ دونوں گروہوں کی مدح کامل اس ایک آیت کے اندر کر دی۔ ایک گروہ وہ تھا جو اپنے مقتضیات ایمان کی تکمیل کی خاطر ہر طرح کے خطرے برداشت کر کے اور کڑی سے کڑی مصیبتیں جھیل کے اپنے وطن مالوف مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے اور بے خانماں ہو کر دارالہجرۃ مدینہ منورہ کو آ گیا تھا اور دوسرا طبقہ مدینہ ہی کے باشندوں کا تھا انہوں نے بھی اپنے مقتضیات ایمان ہی کی تکمیل کی خاطر ان مصیبت زدوں

کی پذیرائی کی تھی۔ ان سب گھروں کو نئے سرے سے گھر بار والا بنایا اور ان کی خدمت اور مہمان داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ایمان کا حق ادا کرنے والے قرآن یہاں صاف شہادت دیتا ہے کہ یہ دونوں ہی گروہ رہے ہیں جہاں دوسری جگہ ان دونوں گروہوں کو ان کے اصطلاحی ناموں "مہاجرین" و "انصار" سے یاد کیا ہے اور مدح صحابہ کا قرآنی نمونہ پیش کر دیا ہے۔

لقد تاب الله على النبيّ والمهاجرين والانصار الذين اتّبعوهُ في ساعة العسرة من بعد ماكاديزيغ قلوب فريقٍ منهم ثمّ تاب عليهم انهٗ بهم رؤفٌ رّحيمٌ (توبه ع ۱٤)

اللہ نے توجہ فرمائی پیغمبر کے حال پر اور ان مہاجرین و انصار کے حال پر بھی جنہوں نے پیغمبر کا ساتھ ایسی تنگی کے وقت میں دیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ تزلزل پیدا ہو چلا تھا۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر رحمت سے توجہ فرما دی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفیق بہت مہربان ہے۔

ساعة العسرة کے لفظ میں عموم ہے، مہاجرین و انصار دونوں نے حضور کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا، لیکن اہل تفسیر و اہل تاریخ نے اشارہ خصوصی یہاں غزوہ تبوک کی جانب سمجھا ہے جس کی تیاریوں کے وقت سامنا غیر معمولی دشواریوں کا کرنا پڑا تھا۔ مبارک ہیں وہ امتی جن کا ذکر صحیفہ ربانی میں ذکر رسول ﷺ کے ساتھ ایک جگہ اور ان کی مدح و تحسین اس طرح کی گئی ہے۔

والسابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والّذين اتبعوهم باحسانٍ رضي الله عنهم ورضوا عنه واعدّ لهم جنّتٍ تجري تحتها الانهرُ خلدين فيها ابدًا ذلك الفوزُ العظيم (توبه ع ۱۳)

اور جو مہاجر اور انصار سابق و مقدم ہیں نیز وہ جنہوں نے ان کی پیروی کی نیک کرداری میں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے ندیاں جاری ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بہت بڑی کامیابی یہ ہے۔

رضی اللہ عنہم کا فقرہ اب تو کل گران قدر ہستیوں کے حق میں وارد ہو گیا اور خیر یہ صحابہ مہاجرین و انصار تو ممدوح الٰہی تھے ہی آیت نے یہ بھی صاف کر دیا کہ بعد والے جو ان کی پیروی کریں گے۔ وہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے سزاوار مدح و ستائش ٹھہر جائیں گے اور باحسان کی قید سے ایک اور نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ یعنی تابعین کا اتباع معتبر وہی شمار کیا جائے گا جو احسان یا حسن عمل میں ہو۔ محض معاصرت یا ہم معاصرت نہیں۔

صحابہ سب کے سب شہری ہی نہ تھے ان کا ایک حصہ دیہاتیوں پر بھی شامل تھا یہ لوگ بیچارے اپنے کسب بے نفسی سے پنہاں ہیں یہ خدمت دین کے لیے حاضر رہتے تھے کہ اسی ذریعہ سے انہیں قرب خداوندی اور التفات رسول ﷺ حاصل ہو اور کیسے قبول ان کے عقیدت کے نذرانوں کو حاصل ہوا اور کیسے نہ حاصل ہوتا ارشاد ہوا۔

ومن الاعراب من یؤمن باللّٰہ والیوم الاخر ویتّخذُ ما ینفق قربات عنداللّٰہ وصلوٰت الرّسول الاانّھا قربۃٌ لھم سیدخلھم اللّٰہ فی رحمتہ انّ اللّٰہ غفورٌ رّحیم۔ (توبہ ع۱۲)

دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے قرب عنداللہ کا اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ بے شک ان کا یہ خرچ کرنا باعث قربت ہے۔ ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

انہیں عرب بادیہ نشینوں کے کفر و نفاق کا ذکر بھی قرآن مجید میں شد و مد سے آیا ہے،

لیکن انہیں اہل بادیہ میں کیسے کیسے مخلصین و مقبولین بھی پیدا ہوئے یہ اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

مسجد نبوی میں آ کر جو صحابہ نماز پڑھا کرتے تھے ان کی پاکیزہ طینتی پاکیزہ سیرتی کی شہادت پر قرآن مجید سے یہ مہر یوں لگا دی ہے گو مقصود اس سیاق میں اصلاً صرف مسجد کی تقدیس کا اظہار تھا۔

لمسجدٌ اسّس علی التّقوی من اوّل یومٍ احقّ ان تقوم فیہ رجالٌ یحبّون ان یتطھّروا واللّٰہ یحبّ المطّھّرین۔ (توبہ ع۱۳)

جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس میں ایسے آدمی (آتے) ہیں جو پسند کرتے ہیں اس کو کہ خوب پاک صاف رہیں اور اللہ پسند کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہنے والوں کو۔

ہجرت یعنی دین کی خاطر اپنے وطن مالوف کو چھوڑ دینا بجائے خود ایک اتنا بڑا مجاہدہ تھا کہ اسی ایک عمل نے صحابہ مہاجرین کو بلند مرتبہ میں کہیں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔

والّذین ھاجروا فی اللّٰہ من بعد ما ظلموا لنبوّئنّھم فی الدّنیا حسنۃً ولاجر الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون۔ (النحل ع۶)

اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش کہ وہ یہ جانتے۔

انہیں مہاجرین مظلوم اور مجاہدین صحابہ کی داد ایک جگہ یوں آئی ہے کہ ان کے ہاتھ اگر حکومت آ گئی تو یہ ملک کو فسق و فجور سے نہیں ظلم و ستم سے نہیں عدل سے بھر دیں گے اور سکہ شراب و زنا کا نہیں۔ سود و قمار کا نہیں۔ خیر و صلاح تقویٰ و طاعت کا چلا دیں گے۔

الّذین ان مکّنّھم فی الارض اقاموا الصّلوٰۃ واٰتوا الزّکوٰۃ

وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر (الحج ع ٦)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں اور زکات دیں، نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کام سے روکیں۔

قرآن مجید کی اس پیش خبری کی تصدیق دور خلافت راشدہ نے جس طرح کی اس کی شہادت تاریخ کی زبان سے جب چاہے سن لیجیے اور آخر یہی تو تاریخ کا وہ درخشاں دور ہے، جسے ہم زندگی کے سارے شعبوں میں آج تک بطور مثالی حکومت کے پیش کرتے رہے ہیں۔

جنگ احزاب کا دن مدینہ کے دس سالہ دور محمدی میں ایک سخت ترین دن ہوا ہے۔ قریش خود ہی کیا کم تھے کہ اس دفعہ اپنے ساتھ ملک کے سارے پرقوت قبیلوں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے تاکہ ہر طرف سے گھیر کے اور دھاوا بول کے اس موحد و مسلم آبادی کا خاتمہ ہی کر دیں اور ظاہری سامان اور مادی آثار سب اسی کے نظر بھی آ رہے تھے۔ لیکن مخلصین کی یہ جماعت اس ہولناک صورت حال اور مخالف ماحول سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی نہ بددل ہوئی نہ ہراساں بلکہ سکون قلب و انشراح خاطر کے ساتھ ثابت قدمی و جانبازی کا ثبوت دیتی رہی کلام پاک کی شہادت ملاحظہ ہو۔

ولما رأ المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم الا ايمانًا وتسليمًا (الاحزاب ع ٣)

اور جب مومنین (صادقین) نے احزاب کو دیکھا تو بولے کہ یہ وہی ہے جس کی ہم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دے چکے تھے اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان و اطاعت میں اور ترقی ہی ہوئی۔

احزاب ہی کی طرح ایک دوسرے اہم و نازک موقع صلح حدیبیہ کے سلسلے میں بھی دین روز کی اس جماعت کی مدح تصریح کے ساتھ آئی ہے۔ حالت اندیشہ ناک ہو چکی تھی۔ درحقیقت آیا تھا کہ جنگ (جس کے لیے مسلمان تیار ہو کر بالکل ہی نہیں آئے تھے) اب

چھڑی اور جب چھڑی میں اس وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان جاں نثاروں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت آخر دم تک لڑنے مرنے کی کی تھی اصل عبارت ملاحظہ ہو خطاب رسول ﷺ سے ہے۔

لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحا قريبًا ومغانم كثيرة ياخذونها. (الفتح ع ٣)

یقیناً اللہ ان مومنین سے خوش ہو گیا۔ جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ اللہ کو بھی معلوم تھا اور اس نے ان کو قریب ہی میں ایک فتح دے دی اور بہت سی غنیمتیں بھی جنہیں وہ لے رہے ہیں۔

آیت میں ان کو تو بیداجل یا مژدہ اخروی کے ساتھ ایک بشارت عاجل فتح قریب کی بھی مل گئی اور اس سے متصل اور بھی بشارتیں ہیں مستقبل قریب ہی سے متعلق

وعدكم الله مغانم كثيرة تاخذونها فعجل لكم هذه وكف ايدي الناس عنكم ولتكون اية للمؤمنين ويهديكم صراطًا مستقيمًا واخرى لم تقدروا عليها قد احاط الله بها وكان الله على كلّ شيء قديرًا. (الفتح ع ٣)

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے، جن کو تم لو گے سو سر دست یہ تم کو دے ہی دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک رکھے، تاکہ یہ مومنین کے لیے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی سڑک پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں ابھی نہیں آئی ہے اللہ اس کو احاطہ میں لیے ہوئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ حضرات صحابہ اخلاق و روحانیت کی جن بلندیوں تک پہنچ چکے تھے، اس کا تذکرہ قرآن مجید نے بکمال عجز جو دا پنے صفحات میں محفوظ کر دیا ہے، جیسا کہ آپ اب تک سن بھی چکے ہیں، حدیث، سیرت، اور طبقات محدثات میں فضائل صحابہ کی جو طویل و عظیم روئداد نظر آتی ہے، وہ سب اسی متن قرآنی کی شرح و تفسیر ہے۔

یعنی کافروں سے جو مال بلا لڑے بھڑے وصول ہو جائے اس کا مصرف مہاجرین و انصار دونوں کے مرتبہ منزلت پر اپنے بیان کی سطور و بین السطور دونوں سے روشنی ڈالا گیا ہے۔

للفقرآء المهجرين الّذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلاً مّن اللّه ورضوانا وينصرون اللّه ورسوله اولٰٓئك هم الصّدقون. (الحشر ع ۱)

(یہ مال) حق ہے ان حاجت مندوں کا جو اپنے گھروں اور اپنے مال سے بے دخل کر دیے گئے وہ تلاش میں لگے رہتے ہیں اللہ کے فضل و خوشنودی کے اور نصرت کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی لوگ تو ہیں راست باز۔

یہ نقشہ تو مہاجرین کا انصار کے جو مرجو اللہ کی نظر میں تھے، ان کے لیے اسی آیت سے متصل دوسری آیت تلاوت فرمایئے۔

والّذين تبوّؤ الدّار والايمان من قبلهم يحبّون من هاجر اليهم ولا يجدون فى صدورهم حاجة مّمّا اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شحّ نفسه فاولٰئك هم المفلحون. (ايضًا)

(اور یہ مال) ان لوگوں کا بھی حق ہے جو دار الاسلام میں اور ایمان میں ان سے قبل ہی قرار پکڑے ہوئے ہیں، محبت کرتے ہیں، اس سے جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی

رشک نہیں پاتے اور (انہیں) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ (خود) اس پر فاقہ ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو گیا تو بس یہی ہیں فلاح یاب۔

طبعی بخل نفس پر فتح پالینے کے بعد بندوں کے معاملات میں پھر کون سا درجہ مجاہدہ باقی بھی رہ جاتا ہے؟ فرق مراتب سے کوئی طبقہ خالی نہیں ہو سکتا۔ انصار و مہاجرین سارے طبقات صحابہ ظاہر ہے کہ فرد کے لحاظ سے ایک سطح پر نہ تھے نہ ہو سکتے تھے کوئی کامل تھا۔ کوئی کامل تر۔ لیکن بہر حال مرتبہ اور درجہ مقبولیت پر فائز سب ہی تھے قرآن مجید نے کتنا صحیح فیصلہ اور وہ بھی خود کر دہ صحابہ ہی کو مخاطب کر کے اس باب میں سنا دیا ہے۔

لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئك اعظم درجةً مّن الّذين انفقوا من بعد وقاتلوا وكلّاً وعد اللّه الحسنى واللّه بما تعملون خبيرٌ. (الحديد ع ۱)

تم میں سے جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل مال خود خرچ کر چکے اور قتال کر چکے وہ برابر نہیں وہ مرتبہ میں ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے خرچ و قتال بعد میں کیا اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ (ان) سب ہی سے کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

انبیاء سابقین کے رفیقوں، مریدوں، شاگردوں کے حالات تفصیل کے ساتھ تو معلوم نہیں لیکن حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے صحابیوں کے حتیٰ بھی حالات قرآن مجید یا توریت و انجیل میں درج ملتے ہیں، ان کا مقابلہ اور قرآن ہی کی روشنی میں ہمارے رسول اکرم ﷺ کے جاں نثار صحابیوں سے کر کے دیکھئے تو ایک قدرت خدا نظر آتی ہے اور بے تحاشا کہنا پڑتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی شخصیت جس طرح اپنے ذاتی فضائل و کمالات کے ساتھ نوع بشری میں مثالی ہوئی ہے اسی طرح اپنے صحابیوں کے اخلاص ایثار اور فدائیت کے لحاظ سے تاریخ عالم میں ایک بالکل امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

معجزہ دراصل تائید ونصرت حق کے یہ خارق عادات شاید ہر پیمبر کی زندگی کا ایک لازمی جز رہا ہے اور اکثر نبیوں مثلاً حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت یونسؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت لوطؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے معجزے تو قرآن مجید میں بصراحت مذکور ہیں، اس صورت میں یہ کیونکر باور کیا جائے کہ جو انبیاء و رسل کا سردار و سرتاج ہوا ہے اس سے کوئی معجزہ سرے سے صادر ہی نہ ہوا ہو؟ لفظ معجزہ ایک علمی اور کلامی اصطلاح بہت بعد کی ہے قرآن مجید نے ایک بڑا جامع لفظ آیت، یعنی نشان استعمال کیا ہے اس کے تحت میں خارجی خوارق اور معنوی دلائل دونوں آ جاتے ہیں۔

محمد مصطفی ﷺ کا سب سے بڑا اور سب سے نمایاں معجزہ وہ کتاب ہے، جسے لے کر آپ آئے اور جو دوسرے معجزات وخوارق کی طرح وقتی اور ہنگامی نہیں، بلکہ مستقل اور دائمی ہے، اس کتاب نے خود اپنے آپ کو بار بار اس دعویٰ اور تحدی کے ساتھ پیش کیا کہ میں کلام بشر نہیں، کلام الٰہی ہوں، جس کی مثال اور نظیر ممکن نہیں اور اگر رسول کے منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلام رسول ﷺ کا گڑھا ہوا ہے تو وہ اس کی ساری سورتوں کا نہ سہی کل دس سورتوں کا اور اسے بھی جانے دیں کل ایک ہی سورت کا جواب ذرا تیار کر لیں اور اس کے لیے انہیں مہلت قیامت تک کی ہے۔ چیلنج وقتی نہیں وہ اور ان کے سارے حمایتی جب بھی چاہیں اپنا پورا زور لگا کر دیکھ لیں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

جاہلی قوموں میں معجزہ کے معنی صرف مادی خرق عادت یا خارجی اعجوبہ کے سمجھے جاتے رہے ہیں۔ اہل جاہلیت عرب نے بھی رشد و ہدایت کے سرچشمے کے یہاں مطالبہ پیش کیا جو جواب میں ارشاد ہوا:

اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیھم۔ (العنکبوت ع ٦)

کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟

گویا بتا دیا کہ اگر اعجاز کی طلب و تلاش ہے تو اس کتاب سے بڑھ کر اعجاز رکھنے والی چیز دنیا و مافیہا میں اور کون ہو سکتی ہے۔

اہل علم میں یہ بحث شروع سے چلی آرہی ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز کس لحاظ سے اور کس اعتبار سے ہے؟ کسی نے کہا کہ فصاحت و بلاغت کے معیار سے، کسی نے کہا کہ نظم کلام کے لحاظ سے، ایک گروہ کا قول ہے کہ پیش گوئیاں اور غیبی خبروں کے پہلو سے، ایک اور گروہ کا قول ہے کہ اپنے احکام کی جامعیت اور اپنی تعلیمات کی بلندی کے اعتبار سے۔ اسی طرح اور پہلو بھی اختیار کیے گئے ہیں لیکن خود قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کا عموم ان تمام پہلوؤں پر حاوی ہے گویا قرآن ایک معجزہ رسول کریم ﷺ کا ان سارے ہی مفہوموں کے اعتبار سے ہے اور اسے چیلنج کے لہجہ میں اعلان کر دیا ہے کہ سارے سارے جن و بشر مل کر بھی زور لگا دیکھیں۔ دوسرا قرآن ان کی طاقت سے باہر ہے۔

قل لئن اجتمعت الانس والجنّ علیٰ ان یاتوبمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا۔ (بنی اسرائیل)

آپ کہہ دیجیے (اے پیغمبر ﷺ) کہ اگر سارے جنات اور انسان مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو نہ لا سکیں، خواہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اس آیت میں تو ذکر دوسرے قرآن کا تھا، یعنی اس سارے قرآن کے مثل کوئی دوسری کتاب، لیکن دوسری جگہ تحدی کا معیار گھٹا کر دس سورتوں تک لے آیا گیا ہے یعنی اگر پورا

قرآن نہیں لا سکتے ہو، تو اس کا دسواں حصہ دس ہی سورتوں کی مقدار کا بنا دیکھو۔

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (ھود ع ٢)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان پیغمبروں نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ تو آپ کہہ دیجیے کہ تم اس کی دس ہی سورتیں گھڑ کر لے آؤ اور اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اللہ کے سوا جس کو بھی چاہو اپنی مدد کے لیے بلا لو۔

ہوتے ہوتے چیلنج اتنا سخت ہو گیا کہ مقدار گھٹا کر کل ایک سورت کی کر دی گئی (اور معلوم ہے کہ قرآن مجید کی ایک سورت کل تین آیتوں کی بھی ہو سکتی ہے) اور ارشاد ہوا کہ اگر کھرے ہو تو اپنے سارے حمایتیوں کو بلا کر کل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (البقرۃ ع ٣)

اور اگر تم کو اس (کتاب) کے بارے میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندہ (خاص) پر اتاری ہے تو اس کی سی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے سارے گواہوں کو بلا لو اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

اور تقریباً یہی مضمون ایک دوسری جگہ بھی وارد ہوا ہے۔

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ (یونس ع ٤)

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) نے یہ (قرآن) گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم ایک ہی سورۃ اس کی سی لے آؤ اور اللہ کے سوا جو کوئی بھی تمہارے بس میں ہو اسے بلا لاؤ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

ہوتے ہوتے فقط ایک چھوٹی سورت تک بھی نہ رہی اور تحدی کی نوبت شاید ایک آیت یا ایک آدھ فقرہ تک کے لیے پہنچ گئی۔

ام یقولون تقوّلہ بل لا یومنون فلیاتو بحدیث مثلہ ان کانو صادقین۔ (الطور ع۲)

یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن (پیغمبر) نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے بات یہ ہے کہ نہیں ایمان ہی نہیں، پس اس کی سی ایک بات بھی تو بنا لائیں اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں!

یہ تحدی نہ صرف حضور ﷺ کی زندگی میں سالہا سال قائم رہی بلکہ اس وقت سے لے کر آج تک ہر ملک ہر زمانہ کے مقابلہ میں قائم چلی آ رہی ہے، تیرہ صدیاں تو اسی چیلنج پر گذر چکیں اور اب چودھویں بھی ختم پر آ رہی، آج تک قرآن کے بڑے بڑے مخالفین و معاندین دوسرا قرآن کیا معنی اس کا کوئی حصہ بھی نہ پیش کر سکے! منکرین کی غیرت کو مہمیز کرنے کے لیے قرآن نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین۔ (البقرۃ ع۳)

تو اگر تم یہ نہ کر سکے اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی ہیں اور (پوجے جانے والے) پتھر بھی جو کافروں کے لیے تیار موجود ہے۔

ایسا مستقل، پائدار، زور دار معجزہ کسی اور پیغمبر کو کیوں عنایت ہوا ہوگا۔ اتنا بڑا دعویٰ کسی اور داعی کی زبان سے کب دہرایا گیا ہوگا؟ جس کا جی چاہے آج بھی امتحان کی کسوٹی پر اس معجزہ کو جانچ لے، پرکھ لے، کسی دوسری آسمانی کتاب کے لیے یہ دعویٰ کب کسی دوسرے صاحب کتاب کی زبان سے نکلا؟

اں ایک جگہ خود قرآن ہی سے جو معجزہ ہونے کی حیثیت سے پہلے سے محفوظ ہے ساتھ توریت کو بھی شامل کر لیا ہے اور یوں کہا ہے کہ کوئی کتاب لا کر پیش کرو، جو ہدایت نامہ کی حیثیت سے ان دونوں سے بڑھ کر ہو۔

قل فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدی منھما اتبعہ ان کنتم صادقین فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھواءھم۔ (القصص ع۵)

آپ کہہ دیجیے کہ کوئی کتاب اللہ کے یہاں سے لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر ہو تو میں اس کی پیروی کروں اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور اگر یہ لوگ آپ کی بات نہ کر دکھا سکیں تو آپ جان لیجیے کہ یہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔

ابھی تک قرآن کے یہ دعوے قرآن کی زبان سے کلی و عمومی رنگ میں تھے۔ لیکن کہیں کہیں ایسا بھی ہے کہ قرآن مجید نے ان متعدد وجوہ اعجاز میں سے کسی ایک ہی پہلو کو نمایاں کیا ہے مثلاً کہیں بلسان عربی مبین یا قرآنا عربیا غیر ذی عوج، کہہ کر اس کی بے نظیر فصاحت و بلاغت کی طرف اشارہ کر دیا ہے اور کہیں نور و کتاب مبین، یا مبین یا ھدی للمتقین یا یھدی للتی ھی اقوم کہہ کر اس کے رشد و ہدایت کے پہلو پر زور دیا ہے اور اس کی معنویت کو ابھارا ہے اور کہیں بل ھو شاعر یا ان ھذا الا سحر مبین۔ کہہ کر اس کی تاثیر اور قوت تسخیر کا اعتراف منکروں کی زبان سے کرا لیا ہے۔

غرض یہ کہ یہ کتاب کا معجزہ صاحب کتاب کی زندگی کا سب سے بڑا معجزہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ساری تاریخ انبیاء میں اس سے بڑھ کر کسی دوسرے معجزے کی مثال نہیں ملتی اور حق یہ ہے کہ اتنے صریح و واضح اور مستقل و مستمر معجزہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ضرورت ہی کسی دوسرے وقتی اور ہنگامی معجزہ کی نہ تھی۔ لیکن واقعہ یہ نہیں واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی

زندگی میں ایک دو نہیں متعدد معجزے ایسے ملتے ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید نے اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا ہے اور قرآن ان کی گواہی رہتی دنیا تک دیتا رہے گا۔

اور ان میں سے ایک بین معجزہ یہ ہے کہ آپ جب اللہ کی راہ میں قتال کے لیے نکلے اور اپنے سے کہیں قوی تر دشمن کے مقابل صف آرا ہوئے تو آپ کی مدد فرشتوں کے لشکر سے کی گئی اور یہ واقعہ ایک سے زائد بار پیش آیا اس لشکر غیبی کے لیے کہیں تو الفاظ مبہم استعمال ہوئے ہیں مثلاً غزوہ حنین کے سلسلہ میں یہاں ارشاد صرف اس قدر ہوا ہے۔

أنزل الله سكينته على رسوله وعلى المومنين وانزل جنودا لم تروها. (التوبه ع ٤)

اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول ﷺ پر اور مومنین پر اور وہ فوجیں بھی جن کو تم لوگ نہ دیکھ سکے۔

اور ایسے ہی ایک مجمل بیان غزوہ احزاب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اذ جاءتكم جنود فارسلنا عليهم ريحا وجنودا لم تروها (الاحزاب ع ٢)

جب (دشمن کی) فوجیں تم پر آ پڑیں تو اللہ نے ان پر تیز ہوا بھیجی اور فوجیں جنہیں تم لوگ نہ دیکھ سکے۔

ان دونوں واقعات میں فرشتوں کی تصریح نہیں ہے، گو "غیر مرئی لشکروں" سے مراد فرشتے ہی لئے گئے ہیں، لیکن غزوہ بدر کے سلسلہ میں یہ پردہ بھی اٹھ جاتا ہے اور فرشتوں کی نہ صرف تصریح ہوتی ہے بلکہ ان کی تعداد بھی معرض بیان میں آ جاتی ہے۔

فاستجاب لكم انى ممدكم بالف من الملئكة مردفين. (الانفال ع ١)

تمہارے پروردگار نے تم لوگوں کی سن لی اور کہا کہ میں تمہاری مدد آتے رہنے والے ایک ہزار فرشتوں سے کروں گا۔

غزوہ احد کے سلسلہ میں تو نوبت صریح تر تصریح کی آ گئی ہے۔

اذ تقول للمومنين الن يكفيكم ان يمدكم ربكم بثلثة الاف من الملائكة منزلين بلى ان تصبروا وتتقوا ياتوكم من فورهم هذا يمددكم ربكم بخمسة الاف من الملائكة مسومين. (آل عمران ع ١٣)

اور جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے گا ہاں کیوں نہیں بشرطیکہ تم نے صبر و تقویٰ کو قائم رکھا اور اگر وہ یعنی دشمنوں کے لشکر تم پر جھٹ آ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کیے ہوئے فرشتوں سے کرے گا۔

انہیں محاربات و غزوات کے سلسلہ میں علاوہ نزول ملائکہ کے، اور بھی جن غیبی اور خدائی طریقوں سے رسول ﷺ برحق کی امداد ہوتی رہی ہے۔ مثلاً دلوں میں القائے سکینت دشمن پر ہوائے مخالف کا چلنا، بارش ہو جانے سے لشکر اسلام کو نفع پہنچ جانا، تھکے ہوئے مسلمان فوجیوں کا غنودگی سے تازہ دم ہو جانا یہ ساری چیزیں قرآن مجید کے اوراق میں محفوظ ہیں اور ان سب کا شمار اگر معجزات نبوی میں نہ کیجیے تو آخر اور کیا کیجیے۔

اور ان غیبی امدادوں اور اس قسم کے معجزات کا دائرہ غزوات و محاربات ہی تک محدود نہیں، بلکہ ہجرت مدینہ کے وقت بھی اس رسول برحق کی نصرت کچھ ایسی ہی عجائب کاروبار سے ہوئی تھی۔ سرداران قریش کی دشمنی اس وقت شباب پر تھی اور چالیں ہر طرح کی آپ کی قید اور جلاوطنی اور قتل کے لیے چلی جا رہی تھیں۔

واذا يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك اويقتلوك اويخرجوك (الانفال ع ٤)

اور جب کہ یہ لوگ آپ کی نسبت چالیں چل رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا

آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں۔

اس وقت کا منظر یوں دکھایا گیا۔

یمکرون ویمکر اللّٰہ۔ (ایضًا)

وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔

غرض یہ کہ ہجرت کا دشوار مرحلہ اعجازی ہی رنگ میں رسول ﷺ کے لیے آسان کر دیا گیا اور ان جزوی اور متفرق واقعات سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز یہ قرآنی وعدہ ہے کہ شدید ہجوم اعداء کے باوجود اللہ آپ کو محفوظ اور صحیح وسالم بھی رکھے گا۔

واللّٰہ یعصمك من النّاس (المائدہ ع۱)

اللہ آپ کو محفوظ رکھے گا لوگوں سے۔

اور یہ سورۃ تو مدنی ہے اس سے قبل ایک مکی سورۃ میں جانی دشمنوں کے نرغہ کے وقت کچھ اس قسم کی تسکین دی جا چکی تھی۔

فاصبر لحکم ربّك فانّك باعیننا (الطور ع۲)

آپ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہیے آپ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

گویا ساری زندگی آپ کی بحفاظت اعجازی رنگ میں گزرتی رہی تا آنکہ آپ نے اپنے مقصد وجود کو پورا کر لیا اور حق تبلیغ رسالت کا ادا کر لیا۔

ہمارے رسول ﷺ کے خوارق ومعجزات میں سے ایک بہت ممتاز آپ کا وصف امیت ہے۔ جو شخص ایران ہندوستان مصر، عراق، یونان وروما کے عروج وحکمت ودانش کے ہر دور کے بعد آیا وہ رسمی واصطلاحی معنی میں علوم عصری کا فاضل اجل ہونا الگ رہا معمولی طور پر بھی پڑھا لکھا نہ تھا اور وہ اپنی لائی ہوئی کتاب اور اپنے قول وعمل سے دنیا کے بڑے سے بڑے

حکیموں اور دانشوروں کو بھی درس ہدایت دے گیا کوئی اعجوبہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟ قرآن مجید نے آپ کے اس معجزہ امیت کا بیان بہ تکرار بھی کیا ہے اور بہ صراحت بھی، ایک جگہ آپ کے تعارف کے سلسلہ میں ہے۔

الّذین یتّبعون الرّسول النّبیّ الامّیّ

(یہ مومنین) پیروی کرتے ہیں امی رسول ونبی کی۔

اور پھر کچھ ہی دور آگے چل کر حکم دیتے ہوئے بھی اسی وصف کو دہرایا ہے۔

فاٰمنوا باللّٰہ ورسولہ النّبیّ الامّیّ۔ (الاعراف ع۱۶)

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے امی رسول ونبی پر۔

تیسری جگہ ہے اور اہل عرب کے لیے محل امتنان وانعام میں ہے۔

ھو الّذی بعث فی الامّیّین رسولًا مّنھم۔ (الجمعۃ ع۱)

وہ اللہ ہی ہے جس نے امیوں کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

حقیقۃً یہ وصف امیت جس طرح رسول ﷺ کی ذات کے لیے ایک اعجاز ہے اسی طرح اعجاز قرآن کی مزید تقویت کے لیے بھی ہے، ایسا کلام جس کے مثل ونظیر سے بڑے بڑے حکیم وادیب مل کر بھی عاجز رہیں، اس کی تصنیف پر کسی امی محض کا قادر ہو جانا بھلا کسی عقل کے لیے بھی قابل قبول ہو سکتا ہے؟ چنانچہ چوتھی جگہ قرآن جہاں آپ کے وصف امیت کا اثبات کرتا ہے وہیں اس کی مزید صراحت کے ساتھ اس کی اس علامت ومصلحت کا بھی اضافہ کر دیتا ہے۔

وما کنت تدری ما الکتٰب ولا تخطّہ بیمینك اذا لارتاب المبطلون۔ (العنکبوت ع۵)

اور آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب ہے کیا چیز اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے اسے لکھ

ہی سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل کچھ شک کر بھی سکتے تھے۔ یعنی اس وقت ان باطل پرستوں کو یہ کہنے کی گنجائش کچھ نکل بھی سکتی تھی کہ آدمی پڑھے لکھے ہیں۔ کہیں سے لے لوا کر ایسی تصنیف کر ڈالی۔

یہ سب انکار صریح تو آپ کی کتابی اور ظاہری تعلیم سے ہوا، ایک جگہ آپ کی قبل نبوت کی معنوی تعلیم کی بھی نفی کی ہے۔

وما كنت تدرى ما الكتاب ولا الايمان۔ (الشورىٰ ع ٥)

اسی امیت ہی کے اعجاز کو نمایاں تر کرنے کے لیے ایک جگہ تاریخ قدیم کے واقعات کو بیان کر کے ارشاد ہوا ہے۔

وما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا (سورہ ہود ع ٤)

ان کا علم نہ آپ کو تھا نہ آپ کی قوم کو اس (نزول قرآن) سے قبل۔

سلسلۂ معجزات میں حدیث وسیر کی کتابوں میں دو واقعات کا ذکر شد ومد سے آیا ہے، ایک ان میں سے معجزہ شق القمر ہے، قرآن مجید کی جس آیت میں یہ ذکر ہے، گو اس کی تعبیر وتفسیر مختلف طریقوں سے کی جا سکتی ہے اور یہ لازمی نہیں کہ اس کے متعین طور پر یہی معنی لیے جائیں۔ پھر بھی اگر اس کو حیات نبوی کا ایک مسلم واقعہ سمجھا جائے تو قرآن مجید اس کی تائید کے لیے موجود ہے۔

اقتربت السّاعة وانشقّ القمر وان يّروا اٰيةً يعرضوا ويقولوا سحرٌ مّستمرٌّ۔ (القمر ع ١)

قیامت کی گھڑی قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا اور یہ (کافر) لوگ تو کوئی سا بھی نشان دیکھیں اس سے اعراض ہی کرتے رہیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے۔

اہل سیر کے نزدیک یہ ابتدائی مکی زندگی میں پیش آیا تھا۔

اور دوسرا مشہور واقعہ شق صدر کا ہے جو حضور کے بچپن میں پیش آیا تھا۔ جزئیات و تفصیلات کے ساتھ تو نہیں البتہ اجمالاً اس کی طرف اشارہ اس مشہور آیت میں مل سکتا ہے۔

الم نشرح لك صدرك۔ (الانشراح)

کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟

سوانح نبوی کا ایک بڑا معرکۃ الآرا واقعہ معراج نبوی ہے اور عام امت کے ذہن میں اس کا شمار اہم ترین معجزات نبوی ﷺ میں ہوتا ہے اور حدیث وسیر کی کتابیں اس کی تفصیلات سے بھری ہوئی ہیں۔ بنیادی حیثیت سے دو بالکل الگ الگ جز اس واقعہ عظیم کے ہیں۔ اور قرآن مجید نے بھی دونوں کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ گو ہر جزو کی تفسیر وتعبیر متعدد پہلوؤں کی حامل ہے۔ پہلا جز حرم مکہ سے بیت المقدس تک راتوں رات سفر سے تعلق ہے۔

سبحان الّذى اسرٰى بعبده ليلًا مّن المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الّذى بٰركنا حوله لنريه من اٰيٰتنا (بنى اسرائيل ع ١)

پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندہ (خاص) کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے گرد وپیش ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اپنے اس (بندہ) کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔

مکہ معظمہ سے یروشلم کا فاصلہ سینکڑوں میل ہے۔ طے کرنے میں اس وقت ہفتوں نہیں مہینوں کی مدت لگ جاتی تھی اتنا لمبا فاصلہ ایک رات کے اندر ہی اندر طے کر لینا یقیناً ایک عجوبہ اور بہت بڑا عجوبہ تھا۔ قرآن مجید نے معجزہ کے اس جزو کی تصدیق ہی نہیں کی خود اس کی روایت کی۔

معجزہ کا دوسرا جزو پہلے سے بھی اہم تر عجیب تر ہے۔ اور وہ سیر آسمانی سے متعلق ہے۔

قرآن مجید نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اس کی خاص تفصیلات بھی بیان کر دیں۔

علّمہٗ شدید القوٰی ذو مرّۃ فاستوٰی وھو بالافق الاعلیٰ ثمّ دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ. فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ماکذب الفؤاد مارایٰ افتمارونہٗ علیٰ مایریٰ. (النجم ع ۱)

(ان پیغمبر) کو سکھلاتا ہے بڑی قوت والا (فرشتہ) پیدائشی طاقتور، پھر وہ اصلی صورت پر ظاہر ہوا اس حال میں کہ وہ آسمان کے کنارے پر تھا۔ پھر وہ نزدیک ہوا اور زیادہ نزدیک ہوا۔ سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر وحی نازل کی (ان کے) قلب نے کوئی غلطی نہیں کی دیکھی ہوئی چیز ہیں تو کیا تم ان سے نزاع کرتے ہو ان چیزوں میں جو ان کی دیکھی ہوئی ہیں۔

بیان ابھی ختم نہیں ہوا ہے آگے ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد راٰہ نزلۃً اُخریٰ عند سدرۃِ المُنتھیٰ عندھا جنّۃُ الماوٰی اذ یغشی السّدرۃ مایغشیٰ مازاغ البصرُ وما طغیٰ لقد راٰی من اٰیاتِ ربّہِ الکبریٰ. (ایضًا)

اور انہوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کہ اس کے قریب جنت الماویٰ ہے جب کہ اس سدرہ کو لپٹ رہی تھیں۔ جو چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں۔ ان (پیغمبر) کی نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی یقیناً انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے عجائبات دیکھے۔

مفہومی ترجمہ آیتوں کا آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ رہی ان مشاہدات وکیفیات کی جزئی تحقیق تو اس کے لیے موزوں دوسری جگہیں ہو سکتی ہیں۔ سیرت نبوی قرآنی سے ان

دقائق کا تعلق نہیں۔

قرآن مجید کے صفحات کے اندر متعدد واقعات سے متعلق جو اس وقت تک معرض وقوع میں نہیں آئے تھے۔ پیشن گوئیاں موجود ہیں۔ کہیں جلی اور کہیں خفی، جو آگے چل کر تمام تر صحیح ثابت ہوئیں۔ مثلاً فتح خیبر فتح مکہ۔ عہد رسالت کے بعد کی فتح مندیاں وقس علیٰ ھٰذا، یہ اخبار بالغیب براہ راست قرآنی سے متعلق ہے اور ایسی چیزوں کا شمار معجزات قرآنی ہی کے ماتحت ہے، لیکن چونکہ یہ سارے دعوی نبی ﷺ ہی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوئے تھے۔ اس لیے اگر انہیں معجزات نبوی سے تعبیر کیا جائے جب بھی کچھ بے جا نہ ہوگا۔ ان کچی اور حیرت انگیز پیشین گوئیوں میں سب سے بڑھ کر غلبہ روم کی پیشین گوئی نکلی وقت کی سب سے بڑی سلطنتیں یعنی شہنشاہیاں مشرق میں ایران اور مغرب میں روم کی تھیں۔

ایران نے 616ء میں اپنے حریف روم کو زبردست اور کامل شکست دے چکا تھا اور مادی ظاہری اسباب کے لحاظ سے اس کی مطلق توقع نہ تھی کہ رومی مستقل قریب میں کچھ بھی عوض اپنی شکست فاش کا لے سکیں۔ لیکن قرآن مجید نے اسی وقت بے دھڑک خبر دے دی اور مخالفین کے جم غفیر کو سنا دیا کہ رومی چند ہی سال کے اندر از سر نو فتح مند ہو جائیں گے۔

غُلبت الرّوم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین للّٰہ الامر من قبل ومن بعد یومئذٍ یّفرح المؤمنون بنصر اللّٰہ ینصر من یّشاءُ وھو العزیز الرّحیم وعد اللّٰہ لا یخلف اللّٰہ وعدہٗ. (الروم ع ۱)

رومی قریب تر سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن وہ مغلوب ہونے کے بعد چند ہی سال کے اندر پھر غالب آ جائیں گے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہر اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور اس روز مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے وہ جسے

چاہے مدد دے دے وہ غالب ہے رحیم ہے اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے
وعدے کو کبھی نہیں توڑتا۔

دس سال بھی نہیں گذرنے پائے تھے، تاریخ کا بیان ہے کہ ابھی کل نواں سال تھا یعنی ۲۲۵ھ کہ روم کو نہ صرف فتح کامل ایران پر حاصل ہوگئی! اور یہ یاد میں تازہ کر لیجیے کہ قرآن مجید نے لفظ فی بضع سنین. چند سال کے اندر کا استعمال کیا تھا اور زبان عربی میں بضع کا اطلاق نو ہی سال تک ہوتا بھی ہے، مشہور انگریز مورخ گبن نے صدیوں بعد گواہی دی کہ پیشین گوئی کے وقت اس پیشین گوئی سے بڑھ کر کوئی چیز بعید از قیاس نہ تھی۔

معجزات اجل کا ذکر آچکا، معجزات نبوی ﷺ کی ایک نوعیت یہ بھی تھی کہ کبھی کسی واقعہ مخفی سے حضور ﷺ کو غیب سے اطلاع ہو جاتی تھی اور آپ ﷺ کے قریب والے تک آپ کی اس غیب دانی سے حیران رہ جاتے تھے ایک بار ایک بیوی صاحبہ سے آپ ﷺ نے کوئی بات راز میں فرمائی انہوں نے رازداری کے اس اہتمام کے ساتھ وہ بات دوسری بیوی تک پہنچادی یہ راز شکنی کا راز آپ ﷺ پر غیب سے ظاہر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ان پہلی بیوی صاحبہ سے سوال کیا ان بچاری نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کو یہ خبر کیسے لگ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر میرے خدائے دانا و بینا نے پہنچادی۔

فلما نبأها به قالت من انبأك هذا قال نبأني العليم الخبير۔ (التحریم ع ۱)

جب آپ نے ان پہلی بیوی کو جتایا تو انہوں نے (حیرت سے) پوچھا کہ آپ
کو یہ خبر کس نے دی آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر دی خدائے علیم وخبیر نے
اور تفحص واستقصاء سے کام لیا جائے تو اس طرح کے اور بھی واقعات کے اشارے
قرآن مجید میں مل جائیں گے۔